اس شمارے میں

حرفِ اوّل

اجتماعی اجتہاد	حافظ محمد زبیر	2

بیان القرآن

سورۃ البقرۃ (آیات ۲۱۱ تا ۲۲۱)	ڈاکٹر اسرار احمد	5

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید' مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	21

فکر و نظر

نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	حافظ محمد زبیر	37

علوم و فنون

اسلام اور فنِ تعمیر (۳)	مرزا عمران حیدر	54

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرۃ: ۲۶۹)

قرآن اکیڈمی لائبریری
۶۱۸۱۰۷
K-36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جلد ۲۶ ٭ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ ٭ اگست ۲۰۰۷ء

کی مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 3-5869501

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے ٗ فی شمارہ: 10 روپے

انڈیا: 700 روپے۔ ایشیا یورپ افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ کینیڈا آسٹریلیا: 1400 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجتماعی اجتہاد

اصطلاحِ فقہاء میں احکامِ شرعیہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ظن غالب کو حاصل کرنے کے لیے اس طرح پوری پوری کوشش کرنا کہ اس پر اس سے زیادہ غور وخوض ممکن نہ ہو اجتہاد کہلاتا ہے۔ گویا ہر ایسی کوشش جو غیر منصوص مسائل کا شرعی حل معلوم کرنے کے لیے کی جاتی ہے اجتہاد ہے۔ اور اگر ایسی کوشش اجتماعی ہو یعنی وہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کے تحت ہو تو اجتماعی اجتہاد کہلاتی ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہر علم کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ ایک مجتہد اور فقیہہ کے لیے ہر ایک شعبۂ علم میں مہارت پیدا کرنا تو دور کی بات اس کے مبتدیات کا احاطہ کرنا بھی ناممکن ہو گیا ہے۔ مزید برآں فقہ الاحکام (دین) سے متعلق مختلف علوم وفنون پر دسترس رکھنے والے علماء تو بہت مل جائیں گے لیکن فقہ الواقعہ (دنیا) سے تعلق رکھنے والے اجتماعی اور انسانی علوم ومسائل کی واقفیت علماء میں تقریباً ناپید ہے۔ آج ایک عالم کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ ان متنوع مسائل کا صحیح معنوں میں ادراک اور شریعت کی روشنی میں ان کا حل پیش کرنا اکیلے ایک عالم کے لیے تقریباً ناممکن ہے۔

اس لیے آج اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ علماء کی انفرادی اجتہادی کاوشوں کے بجائے اجتماعی سطح پر اجتہاد کے کام کو فروغ دیا جائے' ایسے ادارے اور فقہی اکیڈمیاں قائم کی جائیں جو اجتماعی اجتہاد کے اس کام کو آگے بڑھا سکیں' اور ان اداروں میں عالم اسلام کے ممتاز اور جید علماء کو نمائندگی حاصل ہو۔ علماء کے علاوہ مختلف عصری علوم کے ماہرین بھی اس مشاورتی عمل میں شریک ہوں تاکہ زیر بحث مسئلہ کو فنی زاویۂ نگاہ سے سمجھنے میں علماء کی مدد کریں۔ امام شاطبیؒ کے بقول اس مشاورتی عمل میں غیر مسلموں کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اس مسئلے کے ان پہلوؤں کو اجاگر کر سکیں جن کا تعلق کلیۃً واقعات اور خارجی دنیا سے ہے۔ اس کا

نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس قسم کی ملی جلی فکری اور اجتہادی کوششوں سے مسئلہ اور زیادہ نکھر جائے گا اور تعیین واطلاق کی ایک لائقِ عمل شکل اختیار کر لے گا۔ اسی طرح کا ایک اجتماعی اور شورائی اجتہاد ہی فقہ اسلامی کی معاصر ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول اس اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں ایک کوسمو پولیٹن یا اجتماعی فقہ امت مسلمہ کو حاصل ہو سکتی ہے، جسے فقہ شافعی 'فقہ حنبلی' فقہ مالکی یا فقہ حنفی کی بجائے فقہ اسلامی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور جو سب مذاہب اسلامیہ کے نزدیک قابل قبول ہو گی۔ لیکن اس اجتماعی اجتہاد کے ضمن میں علماء کو دو باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ ایک یہ کہ اجتماعی اجتہاد کی صورت علماء کی کسی بھی مجلس یا 'لجنة' کا اصل مقصود حکم الٰہی کی تلاش ہو اور باہمی مفاہمت اس مقصد پر کسی طور بھی غالب نہ آنے پائے۔ دوسری بات یہ کہ اس اجتماعی اجتہاد کو اجماع کا درجہ دے کر اس کی بنیاد پر کوئی قانون سازی کرتے ہوئے اس کے مخالف رائے رکھنے والے مجتہدین پر جبراً نفاذ نہ کیا جائے۔

اجتماعی اجتہاد کے موضوع پر ابھی تک ایک ہی کتاب سامنے آئی ہے جس کا نام 'الاجتهاد الجماعي في التشريع الاسلامي' ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبد المجید السوسوہ کی ہے۔ ڈاکٹر السوسوہ کی اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد علماء میں اجتماعی اجتہاد کی شرعی حیثیت اور دلائل کے بارے میں ایک علمی بحث کا آغاز ہو گیا ہے۔ بعض علماء نے اجتماعی اجتہاد کے حق میں اور بعض نے اجتماعی اجتہاد کی مخالفت میں مضامین لکھے ہیں، اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ علامہ البانی نے 'السلسلة الضعيفة' میں السوسوہ کی کتاب میں موجود بعض اصولی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ بعض دوسرے علماء مثلاً مصطفیٰ الزرقا، مصطفیٰ الشلبی، محمد یوسف موسیٰ، محمود شلتوت، احمد شاکر، ڈاکٹر زکریا البری، ڈاکٹر محمد عمارۃ، ڈاکٹر محمد الدسوقی، شیخ عبد الامیر قبلان لبنانی، محمد عبدہ، بدیع الزمان النورسی اور مفتی شام علامہ شیخ احمد کفتارو نے بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ اجتماعی اجتہاد کی تائید میں لکھا ہے۔ اس سلسلے میں قابل ذکر کام پروفیسر ڈاکٹر طاہر منصوری صاحب کی کاوشوں کے نتیجے میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے زیر اہتمام اجتماعی اجتہاد کے تصور وارتقاء پر ایک علمی سیمینار کا انعقاد ہے، جس میں ملک بھر سے مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے ممتاز اور جید علماء نے شرکت کی اور اجتماعی اجتہاد سے متعلق اپنے نظریات اور خیالات کا اظہار کیا۔ سیمینار کے مقالہ جات انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے تحت کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے حال ہی میں جاری کردہ سہ ماہی مجلّہ 'اجتہاد' بھی پاکستان میں انفرادی و اجتماعی اجتہاد کی طرف ایک اچھی پیش رفت ہے۔ جناب ڈاکٹر خالد مسعود اس مجلّے کے مدیر مسئول ہیں۔ ان سے ہماری گزارش ہے کہ پاکستان میں موجود مختلف مکاتب فکر کے معتدل علماء کو نہ صرف اس مجلّے کی مشاورتی کونسل میں شامل کیا جائے بلکہ 'اجتہاد' کے موضوع پر ان کے نقطۂ نظر کو شائع کیا جائے اور اس بات کی حتی الامکان کوشش کی جائے کہ روایتی علماء پر طنز و تشنیع کیے بغیر اور سلف کے ساتھ جڑے رہتے ہوئے فقہی جمود کے بالمقابل اس اجتہادی تحریک کو مثبت انداز میں آگے بڑھایا جائے۔ واضح رہے کہ ایک ایسا رسالہ جس میں سلف صالحین کی مجموعی تحقیق پر عدم اعتماد کا اظہار ہو اور علماء کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہو' اسلامی معاشرے میں ذہنی و فکری انتشار تو پھیلا سکتا ہے' کوئی مثبت نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمیں جناب مولانا زاہد الراشدی کی یہ بات بہت مناسب اور وقیع معلوم ہوئی ہے اور جس کا تذکرہ ہم نے سابقہ اداریے میں بھی کیا تھا' کہ ائمہ سلف کے پیش کردہ مآخذ و اصولِ دین میں تو کسی قسم کے اضافے اور اختلاف کی بات نہ کی جائے' ہاں فروعات میں کسی سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے جب تک کسی فرعی مسئلے پر علماء کا اجماع نہ ہو۔ سلف صالحین کے اصولوں میں رہتے ہوئے اجتہاد کرنا ہی وہ کم از کم حد ہے جس کی پابندی کے نتیجے میں عصر حاضر کے مجتہدین اور فقہاء افتراق و انتشار کے غیر محدود سلسلے سے بچ سکتے ہیں۔

بقیہ : نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

تفسیر حقانی: مولانا عبدالحق حقانی" لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور البتہ عیسیٰ جو ہے تو قیامت کی ایک نشانی ہے''۔

''پس بات یہ تھی کہ عیسیٰ" کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا تھا' تاکہ وہ اس بات سے اس پر ایمان لاویں اور نیز وہ قیامت کی نشانی ہے کہ قریب قیامت کے دنیا پر اترے گا' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے''۔

(جاری ہے)

○○○

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

آیات ۲۱۱ تا ۲۱۶

﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً
وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا
الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ
مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى
يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ

لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۲۰۹﴾

آیت ۲۱۱ ﴿سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ﴾ ''پوچھ لو بنی اسرائیل سے' ہم نے انہیں کتنی روشن نشانیاں دیں۔''

یعنی اے مسلمانو! دیکھو کہیں تم بھی ان ہی کے راستے پر نہ چلنا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ' حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ)) قُلْنَا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ : ((فَمَنْ؟)) (۱)

''تم لازماً اپنے سے پہلوں کے طور طریقوں کی پیروی کرو گے' بالشت کے مقابلے میں بالشت اور ہاتھ کے مقابلے میں ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھس کر رہو گے''۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہود و نصاریٰ کی؟ آپؐ نے فرمایا:''تو اور کس کی؟''

﴿وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴿۲۱۱﴾﴾

''اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو' بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس آ گئی ہو تو (وہ جان لے کہ) اللہ سزا دینے میں بھی سخت ہے۔''

جو کوئی اللہ کی نعمت کو پانے کے بعد اس میں تبدیلی کرتا ہے' یا اس میں تحریف کرتا ہے یا خود غلط روش اختیار کرتا ہے تو اس کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس طرزِ عمل پر بہت سخت سزا دیتا ہے۔ بنی اسرائیل ہی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ قرآن حکیم میں ان سے دو مرتبہ فرمایا گیا: ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴿۴۷﴾﴾ (البقرۃ) ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اس انعام کو جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی تمام اہلِ عالم پر''۔ لیکن پھر ان ہی کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۶۱) ''اور اُن پر ذلت و خواری اور محتاجی و کم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے''۔ اور یہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ وصحیح مسلم' کتاب العلم' باب اتباع سنن الیہود و النصاریٰ۔

مضمون بھی سورۂ آلِ عمران میں دوبارہ آئے گا۔

آیت ۲۱۲ ﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ''ان کافروں کے لیے دنیا کی زندگی بڑی مزین کر دی گئی ہے''

یہاں کی چمک دمک اور شان و شوکت ان کے لیے بڑی محبوب و دل پسند بنادی گئی ہے۔ ویسے تو نئے ماڈل کی لمبی لمبی چمکیلی کاریں' اونچی اونچی عمارتیں اور وسیع و عریض کوٹھیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں' لیکن کفار کے دلوں میں مال و اسبابِ دُنیوی کی محبت اتنی گھر کر جاتی ہے کہ پھر کوئی اچھی بات ان کی زندگی میں نہیں رہتی' اور نہ ہی کوئی اچھی بات ان کے اوپر اثر کرتی ہے۔ اہل ایمان کو بھی اگر ایمان کے ساتھ یہ نعمتیں ملیں تو یہ مستحسن ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ﴾ (الاعراف:۳۲) ''(اے نبیﷺ! ان سے) کہیے' کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟'' اچھا کھانا' اچھا پینا' اچھا پہننا حرام نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو لوگوں کے لیے ممنوع نہیں کیا۔ ایک مسلمان دین کے تقاضے ادا کر کے' اللہ کا حق ادا کر کے اور حلال سے کما کر ان چیزوں کو حاصل کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ حدیث بھی ذہن میں لے آئیے: ((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) (۱) ''دنیا مؤمن کے لیے ایک قید خانہ اور کافر کے لیے باغ ہے''۔

﴿وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ﴾ ''اور وہ مذاق اڑاتے ہیں اہل ایمان کا''

ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ذرا ان پاگلوں کو' ان بے وقوفوں کو' ان fanatics کو دیکھو' جنہیں اپنے نفع و نقصان کا کچھ ہوش نہیں ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی قیامت کے دن وہ ان کے اوپر ہوں گے۔''

وہ ان کافروں کے مقابلے میں عالی مرتبت اور عالی مقام ہوں گے' بلکہ سورۃ المطففین میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل ایمان کفار کا مذاق اڑائیں گے۔

﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمائے گا جس کو چاہے گا بے حساب۔''

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الزھد و الرقائق' باب۔

یہ جنت کی طرف اشارہ ہے۔ اب پھر ایک طویل آیت آ رہی ہے جس میں ایک اہم مضمون بیان ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سورۃ البقرۃ میں جا بجا علم و حکمت اور معرفتِ الٰہی کے بڑے حسین اور خوش نما پھول آئے ہیں جو اس بُنتی میں بُن دیے گئے ہیں۔ دو لڑیاں شریعت کی ہیں' یعنی عبادات اور معاملات' جبکہ دو لڑیاں جہاد کی' یعنی جہاد بالمال (انفاق) اور جہاد بالنفس (قتال)' اور ان کے درمیان یہ عظیم پھول آ جاتے ہیں۔ اس آیت کو میں نے ''آیت الاختلاف'' کا عنوان دیا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے درمیان اختلاف کیوں ہوتا رہا ہے' اور یہ بہت اہم مضمون ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں وحدتِ ادیان کا جو فلسفہ کچھ لوگوں کی طرف سے پیش ہوتا ہے اس کا ایک حصہ صحیح ہے اور ایک حصہ غلط ہے۔ صحیح کون سا ہے اور غلط کون سا ہے' وہ اس آیت سے معلوم ہوگا۔

آیت ۲۱۳ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''تمام انسان ایک ہی اُمت تھے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں سب کے سب انسان ایک ہی اُمت تھے۔ تمام انسان حضرتِ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدمؑ نبی ہیں۔ چنانچہ اُمت تو ایک ہی تھی۔ جب تک ان میں گمراہی پیدا نہیں ہوئی' اختلافات پیدا نہیں ہوئے' شیطان نے کچھ لوگوں کو نہیں ورغلایا' اُس وقت تک تو تمام انسان ایک ہی اُمت تھے۔ اب یہاں پر ایک لفظ محذوف ہے: ''ثُمَّ اخْتَلَفُوْا'' (پھر ان میں اختلافات ہوئے)۔ اختلاف کے نتیجے میں فساد پیدا ہوا اور کچھ لوگوں نے گمراہی کی روش اختیار کر لی۔ آدمؑ کا ایک بیٹا اگر ہابیل تھا تو دوسرا قابیل بھی تھا۔

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''تو اللہ نے (اپنے) نبی بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے۔''

اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جو نیکوکاروں کو بشارت دیتے تھے اور غلط کاروں کو خبردار کرتے تھے۔

﴿وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ ''اور ان کے ساتھ (اپنی) کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ' تاکہ وہ فیصلہ کر دے لوگوں کے مابین ان امور میں جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا۔''

﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ ''اور کتاب میں اختلاف نہیں کیا مگر ان ہی لوگوں نے جنہیں یہ دی گئی تھی' اس

کے بعد کہ ان کے پاس روشن ہدایات آ چکی تھیں‘ محض باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔‘‘

’’بَغْیًا‘‘ کا لفظ قبل ازیں آیت ۹۰ میں آ چکا ہے۔ وہاں میں نے وضاحت کی تھی کہ دین میں اختلاف کا اصل سبب یہی ضدم ضدا والا رویہ ہوتا ہے۔ انسان میں غالب ہونے کی جو طلب اور اُمنگ (The urge to dominate) موجود ہے وہ حق کو قبول کرنے میں مزاحم ہو جاتی ہے۔ دوسرے کی بات ماننا نفس انسانی پر بہت گراں گزرتا ہے۔ آدمی کہتا ہے میں اس کی بات کیوں مانوں‘ یہ میری کیوں نہ مانے؟ انسان کے اندر جہاں اچھے میلانات رکھے گئے ہیں وہاں بُری اُمنگیں اور میلانات بھی رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ انسان کے باطن میں حق و باطل کی ایک کشاکش چلتی ہے۔ اسی طرح کی کشاکش خارج میں بھی چلتی ہے۔ تو فرمایا کہ جب انسانوں میں اختلافات رونما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو بھیجا جو مبشر اور منذر بن کر آئے۔

﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ ’’پس اللہ نے ہدایت بخشی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اُس حق کے معاملے میں جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا‘ اپنے حکم سے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾﴾ ’’اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔‘‘

سلسلۂ انبیاء و رُسل کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرما کر‘ اپنی توفیق سے‘ اس نزاع و اختلاف میں حق کی راہ اہل ایمان پر کھولی ہے۔ اور اللہ ہی ہے جو اپنی مشیت اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق جس کو چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔

اب بڑی سخت آیت آ رہی ہے‘ جو بڑی لرزا دینے والی آیت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بڑی تعداد مہاجرین کی تھی جو مکہ کی سختیاں جھیل کر آئے تھے۔ ان کے لیے تو اب جو بھی مراحل آئندہ آنے والے تھے وہ بھی کوئی ایسے مشکل نہیں تھے۔ لیکن جو حضرات مدینہ منورہ میں ایمان لائے تھے‘ یعنی انصار‘ اُن کے لیے تو یہ نئی نئی بات تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے تو وہ سختیاں نہیں جھیلی تھیں جو مکہ میں مہاجرین نے جھیلی تھیں۔ تو اب روئے سخن خاص طور پر ان سے ہے‘ اگرچہ خطاب عام ہے۔ قرآن مجید میں یہ اسلوب عام طور پر ملتا ہے کہ الفاظ عام ہیں‘ لیکن روئے سخن کسی خاص طبقہ کی طرف ہے۔ تو درحقیقت یہاں انصار کو بتایا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا پھولوں کی سیج نہیں ہے۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ ''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے''

﴿وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''حالانکہ ابھی تک تمہارے اوپر وہ حالات وواقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے۔''

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا﴾ ''پہنچی ان کو سختی بھوک کی اور تکلیف اور وہ ہلا مارے گئے''

﴿حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ''یہاں تک کہ (وقت کا) رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟''

﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ﴿۲۱۴﴾﴾ ''(اب انہیں یہ خوشخبری دی گئی کہ) آگاہ ہو جاؤ' یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔''

یعنی اللہ تو اہل ایمان کو آزماتا ہے' اسے کھوٹے اور کھرے کو الگ کرنا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے انیسویں رکوع کے بالکل آغاز میں آ چکی ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾ (آیت ۱۵۵) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال و جان اور ثمرات کے نقصان سے''۔ یہ کوئی پھولوں بھرا راستہ نہیں ہے' پھولوں کی سیج نہیں ہے' حق کا راستہ کانٹوں بھرا راستہ ہے' اس کے لیے ذہناً تیار ہو جاؤ۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی!

اور:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

اس راستے میں اللہ کی مدد ضرور آتی ہے' لیکن آزمائشوں اور قربانیوں کے بعد۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر سورۃ الصف میں فتح ونصرت کی خوشخبری سنائی گئی' جبکہ غزوۂ احزاب واقع ہو چکا تھا اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان رضی اللہ عنہم شدید ترین امتحان سے کامیابی کے ساتھ گزر چکے تھے۔ تب انہیں بایں الفاظ خوشخبری دی گئی: ﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ

اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ﴾ (آیت ۱۳) ''اور جو دوسری چیز تمہیں پسند ہے (وہ بھی تمہیں ملے گی)' اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح''۔ ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''اور (اے نبیؐ!) اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے!'' اپنے اہل ایمان ساتھیوں کو بشارت دے دیجیے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ کی نصرت کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

آیت ۲۱۵ ﴿يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ﴾ ''یہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟''

یعنی انفاق کے لیے جو کہا جا رہا ہے تو ہم کیا خرچ کریں؟ کتنا خرچ کریں؟ انسان بھلائی کے لیے جو بھی خرچ کرے تو اس میں سب سے پہلا حق کن کا ہے؟

﴿قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ﴾ ''کہہ دیجیے جو بھی تم خرچ کرو مال و اسباب میں سے''

﴿فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ ''تو والدین' رشتے داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو)۔''

سب سے پہلا حق والدین کا ہے' اس کے بعد درجہ بدرجہ قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ ''اور جو خیر بھی تم کماؤ گے اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''

تم جو بھی اچھا کام کرو گے تو جان لو کہ وہ اللہ کے علم میں ہے۔ ضرورت نہیں ہے کہ دنیا اس سے واقف ہو' تمہیں اگر اللہ سے اجر لینا ہے تو وہ تو رات کے اندھیرے میں بھی دیکھ رہا ہے۔ اگر تمہارے دائیں ہاتھ نے دیا ہے اور بائیں کو پتا نہیں چلا تو اللہ کو تو پھر بھی پتا چل گیا ہے۔ تو تم خاطر جمع رکھو' تمہاری ہر نیکی اللہ کے علم میں ہے اور وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

اب اگلی آیت میں قتال کے مضمون کا تسلسل ہے۔ میں نے سورۃ البقرۃ کے نصف آخر کے مضامین کو چار مختلف رنگوں کی لڑیوں سے تشبیہہ دی تھی' جن کو باہم بٹ لیا جائے تو چاروں رنگ کٹے پھٹے نظر آتے ہیں اور اگر انہیں کھول دیا جائے تو ہر رنگ مسلسل نظر آتا ہے۔

آیت ۲۱۶ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ ''(مسلمانو!) اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں گراں گزر رہی ہے۔''

واضح رہے کہ سورۃ البقرۃ سے پہلے سورۃ محمد ﷺ نازل ہو چکی تھی اور اُس میں قتال کی

فرضیت آ چکی تھی۔ (اُس کا ایک نام سورۃ القتال بھی ہے) لہٰذا اس حوالے سے کچھ لوگ پریشان ہو رہے تھے۔ خاص طور پر منافقین یہ کہتے تھے کہ بھائی صلح جوئی سے کام لو‘ بس دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف لاؤ‘ یہ جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی تو کوئی اچھا کام نہیں ہے‘ اس میں تو بہت خرابی ہے۔ ان کے علاوہ ایسے مسلمان جن کا ایمان قدرے کمزور تھا‘ اگرچہ وہ منافق تو نہیں تھے‘ لیکن ان کا ایمان ابھی پختہ نہیں تھا‘ ابھی تازہ تازہ ایمان لائے تھے اور تربیت کے مراحل سے ابھی نہیں گزرے تھے‘ ان میں سے بھی بعض لوگوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو رہا تھا۔ یہاں قتال کی فرضیت کے لیے ''کُتِبَ'' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے پہلے یہ لفظ روزے‘ قصاص اور وصیت کے ضمن میں آ چکا ہے۔ ﴿کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ ...... کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِصَاصُ فِی الۡقَتۡلٰی ...... کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۨ الۡوَصِیَّۃُ ......﴾ فرمایا کہ تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں بری لگ رہی ہے۔

﴿وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ﴾ ''اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔''

﴿وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ﴾ ''اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بری ہو۔''

﴿وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ ''اور اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے۔''

تم اپنی عقل پر ایمان نہ رکھو‘ اللہ کی وحی پر ایمان رکھو‘ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان رکھو۔ جس وقت کے لیے جو حکم موزوں تھا وہی تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے دیا گیا۔ چودہ برس تک تمہیں قتال سے منع کیا گیا۔ اُس وقت تمہارے لیے حکم تھا: ''کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ'' (اپنے ہاتھ روکے رکھو!) اب تم پر قتال فرض کیا جا رہا ہے‘ لہٰذا اب اس حکم پر سر تسلیم خم کرنا تمہارے لیے لازم ہے۔

آیات ۲۱۷ تا ۲۲۱

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الشَّہۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِیۡہِ ؕ قُلۡ قِتَالٌ فِیۡہِ کَبِیۡرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَکُفۡرٌۢ بِہٖ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ٭ وَاِخۡرَاجُ اَہۡلِہٖ مِنۡہُ اَکۡبَرُ

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى
يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ
فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ
اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ
مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَلَا
تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ
اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾﴾

آیت ۲۱۷ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ!) یہ آپ سے پوچھتے ہیں حرمت والے مہینے میں جنگ کے بارے میں۔''

قتال کا حکم آنے کے بعد اب وہ پوچھتے تھے کہ یہ جو حرمت والے مہینے ہیں ان میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ اس لیے کہ سیرت میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند افراد کے دستے کا کمانڈر بنا کر ہدایت فرمائی تھی کہ مکہ اور طائف کے درمیان جا کر وادیٔ نخلہ میں قیام کریں اور قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔ وادیٔ

نخلہ میں قیام کے دوران وہاں قریش کے ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ مڈبھیڑ ہو گئی اور مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک عمرو بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا۔ اُس روز رجب کی آخری تاریخ تھی اور رجب کا مہینہ اشہرحرم میں سے ہے۔ یہ ہجرت کے بعد پہلا خون تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔ اس پر مشرکین نے بہت واویلا کیا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے' بنے پھرتے ہیں اللہ والے' رسولؐ والے' دین والے' آخرت والے اور انہوں نے حرمت والے مہینے کو بٹہ لگا دیا' اس میں جنگ کی۔ تو یہ دراصل اللہ تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کی طرف سے گویا خود صفائی پیش کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کا کیا حکم ہے؟

﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بہت بڑی (گناہ کی) بات ہے۔''

﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ''لیکن اللہ کے راستے سے روکنا' اس کا کفر کرنا' مسجد حرام سے روکنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے کہیں بڑا گناہ ہے۔''

یہ وہ سنگین جرائم ہیں جن کا ارتکاب مشرکین مکہ کی جانب سے ہو رہا تھا۔ یہاں فرمایا گیا کہ یہ سب کام اشہرحرم میں جنگ کرنے سے بھی بڑے جرائم ہیں۔ لہٰذا ان کے سدباب کے لیے اگر اشہرحرم میں جنگ کرنی پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ﴾ ''اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

قبل ازیں آیت ۱۹۱ میں الفاظ آ چکے ہیں: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ﴾ فتنہ ہر وہ کیفیت ہے جس میں صاحب ایمان کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو جائے۔ آج کا پورا معاشرہ فتنہ ہے۔ اسلام پر عمل کرنا مشکل ہے' بدمعاشی اور حرام خوری کے راستے کھلے ہوئے ہیں' اکل حلال اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ دانتوں پسینہ آئے تو شاید نصیب ہو۔ نکاح اور شادی کے جائز راستوں پر بڑی بڑی شرطیں اور قدغنیں عائد ہیں' جبکہ ناجائز مراسم اور زنا کے راستے کھلے ہیں۔ جس معاشرے کے اندر باطل کا غلبہ ہو جائے اور حق پر چلنا ممکن نہ رہے وہ بڑے فتنے میں مبتلا ہے۔ باطل کا غلبہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ فتنہ قتل کے مقابلے میں بہت بڑی شے ہے۔

﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾ ''اور یہ لوگ تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹا دیں تمہیں اپنے دین سے اگر وہ ایسا کر سکتے ہوں۔''

وہ تو اس پر تلے ہوئے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ یہاں مشرکین مکہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے' کیونکہ اب یہ غزوۂ بدر کی تمہید چل رہی ہے۔ اس کے بعد غزوۂ بدر ہونے والا ہے' اس کے لیے اہل ایمان کو ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے اور انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مشرکین کی جنگ کا مقصد تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرنا ہے' وہ تو اپنی بھرپور کوشش کرتے رہیں گے کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے لوٹا کر واپس لے جائیں۔

﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ ''اور (سن لو) جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا''

﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ ''اور اُسی حالت میں اس کی موت آ گئی کہ وہ کافر ہی تھا''

﴿فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''تو یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے۔''

پہلے خواہ کتنی ہی نیکیاں کی ہوئی تھیں' کتنی ہی نمازیں پڑھی ہوئی تھیں' کتنا ہی انفاق کیا ہوا تھا' صدقات دیے تھے' جو کچھ بھی کیا تھا سب کا سب صفر ہو جائے گا۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''اور وہ ہوں گے جہنم والے' وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۲۱۸ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ ''(اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں تو یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔''

یہاں اُن لوگوں پر بڑا لطیف طنز ہے جو خود تو حرام کے راستے پر جا رہے ہیں' لیکن یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ اللہ ایسی روش اختیار کرنے والوں پر رحمت نہیں فرماتا' اللہ کی رحمت کا مستحق بننا پڑتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کا مستحق وہی ہے جو ایمان'

ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ایسے لوگ بجا طور پر اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ غفور ہے' رحیم ہے۔''

وہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔

آیت ۲۱۹ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ''(اے نبیؐ!) یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ ان کا کیا حکم ہے؟)''۔

ان احکام سے شریعت کا ابتدائی خاکہ (blue print) تیار ہونا شروع ہو گیا ہے' کچھ احکام پہلے آ چکے ہیں اور کچھ اب آ رہے ہیں۔ شراب اور جوئے کے بارے میں یہاں ابتدائی حکم بیان ہوا ہے اور اس پر محض اظہارِ ناراضگی فرمایا گیا ہے۔

﴿قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ ''(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دیجیے کہ ان دونوں کے اندر بہت بڑے گناہ کے پہلو ہیں۔''

﴿وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ''اور لوگوں کے لیے کچھ منفعتیں بھی ہیں۔''

﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ''البتہ ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے۔''

یعنی اشارہ کر دیا گیا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اب معاملہ تمہاری عقل سلیم کے حوالے ہے' حقیقت تم پر کھول دی گئی ہے۔ یہ ابتدائی حکم ہے' لیکن حکم کے پیرائے میں نہیں۔ بس واضح کر دیا گیا کہ ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے' اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ بقول غالب:۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو؟
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے!

اور:۔

میں میکدے کی راہ سے ہو کر گزر گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا!

یہ حکمت سمجھ لیجیے کہ شراب اور جوئے میں کیا چیز مشترک ہے کہ یہاں دونوں کو جمع کیا گیا؟ شراب کے نشے میں بھی انسان اپنے آپ کو حقائق سے منقطع کرتا ہے اور محنت سے جی

چھاتا ہے۔ وہ زندگی کے تلخ حقائق کا مواجہہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ع

''اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے!''

اور جوئے کی بنیاد بھی محنت کی نفی پر ہے۔ ایک رویہ تو یہ ہے کہ محنت سے ایک آدمی کما رہا ہے' مشقت کر رہا ہے' کوئی کھوکھا' چھابڑی یا ریڑھی لگا کر کچھ کمائی کر رہا ہے' جبکہ ایک ہے چانس اور داؤ کی بنیاد پر پیسے کمانا۔ یہ محنت کی نفی ہے۔ چنانچہ شراب اور جوئے کے اندر اصل میں علت ایک ہی ہے۔

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ''اور یہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کتنا خرچ کریں؟''

آیت ۱۹۵ میں انفاق کا حکم بایں الفاظ آ چکا ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ جھونکو''۔ تو سوال کیا گیا کہ ''کتنا خرچ کریں؟'' ہمیں کچھ مقدار بھی بتا دی جائے۔ فرمایا:

﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ ''کہہ دیجیے: جو بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ تم اپنی ضرورتوں کو پیچھے ڈال دو' بلکہ تم پہلے اپنی ضرورتیں پوری کرو' پھر جو تمہارے پاس بچ جائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ کمیونزم کے فلسفہ میں ایک اصطلاح ''قدرِ زائد'' (surplus value) استعمال ہوتی ہے۔ یہ ہے ''اَلْعَفْوَ''۔ جو بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہے یہ surplus value ہے' اسے اللہ کی راہ میں دے دو۔ اس کو بچا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں کہ اللہ نے آج تو دے دیا ہے' کل نہیں دے گا۔ لیکن یہ کہ انسان کی ضرورتیں کیا ہیں' کتنی ہیں' اس کا اللہ نے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا۔ اس کا تعلق باطنی روح سے ہے۔ ایک مسلمان کے اندر اللہ کی محبت اور آخرت پر ایمان جوں جوں بڑھتا جائے گا اتنا ہی وہ اپنی ضرورتیں کم کرے گا' اپنے معیارِ زندگی کو پست کرے گا اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں دے گا۔ اصول یہ ہے کہ ہر شخص یہ دیکھے کہ جو میری ضرورت سے زائد ہے اسے میں بچا بچا کر نہ رکھوں' بلکہ اللہ کی راہ میں دے دوں۔ انفاق فی سبیل اللہ پر اس سورۂ مبارکہ میں پورے دو رکوع آگے آنے والے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے واضح کر رہا ہے تا کہ تم غور و فکر کرو۔''

آیت ۲۲۰ ﴿فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط﴾ ''دنیااور آخرت (کے معاملات) میں۔''
تمہارا یہ غور وفکر دنیا کے بارے میں بھی ہونا چاہیے اور آخرت کے بارے میں بھی۔ دنیا میں بھی اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ نہ کھاؤ' نہ پیو' چلے کشی کرو' جنگلوں میں نکل جاؤ! نہیں' اسلام تو متمدن زندگی کی تعلیم دیتا ہے' گھر گرہستی اور شادی بیاہ کی ترغیب دیتا ہے' بیوی بچوں کے حقوق بتاتا ہے اور ان کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمہیں آخرت کی بھی فکر کرنی چاہیے' اور دنیا و آخرت کے معاملات میں ایک نسبت و تناسب (ratio proportion) قائم رہنا چاہیے۔ دنیا کی کتنی قدر و قیمت ہے اور اس کے مقابلے میں آخرت کی کتنی قدر و قیمت ہے' اس کا صحیح طور پر اندازہ کرنا چاہیے۔ اگر یہ اندازہ غلط ہو گیا اور کوئی غلط تناسب قائم کر لیا گیا تو ہر چیز تلپٹ ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر ایک دوا کے نسخے میں کوئی چیز کم تھی' کوئی زیادہ تھی۔ اگر آپ نے جو چیز کم تھی اسے زیادہ کر دیا اور جو زیادہ تھی اسے کم کر دیا تو اب ہو سکتا ہے یہ نسخہ' شفا نہ رہے' نسخہ' ہلاکت بن جائے۔

﴿وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی ط﴾ ''اور یہ آپؐ سے پوچھ رہے ہیں یتیموں کے بارے میں۔''

﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ ط﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ (جس طرزِ عمل میں) ان کی بھلائی اور مصلحت (ہو وہی اختیار کرنا) بہتر ہے۔''

ان کی مصلحت کو پیش نظر رکھنا بہتر ہے' نیکی ہے' بھلائی ہے۔ اصل میں لوگوں کے سامنے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت تھی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ (آیت ۳۴) ''اور مالِ یتیم کے قریب تک نہ پھٹکو' مگر ایسے طریقے پر جو (یتیم کے حق میں) بہتر ہو''۔ چنانچہ وہ مالِ یتیم کے بارے میں انتہائی احتیاط کر رہے تھے اور انہوں نے یتامیٰ کی ہنڈیاں بھی علیحدہ کر دی تھیں کہ مبادا اُن کے حصے کی کوئی بوٹی ہمارے پیٹ میں چلی جائے۔ لیکن اس طرح یتامیٰ کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ تکلیف اور حرج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ کسی کے گھر میں یتیم پرورش پا رہا ہے تو اس کا خرچ الگ طور پر اس کے مال میں سے نکالا جا رہا ہے اور اس کے لیے الگ ہنڈیا پکائی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ اُس حکم سے یہ مقصد نہیں تھا' مقصد یہ تھا کہ تم کہیں ان کے مال ہڑپ نہ کر جاؤ' ان کے لیے اصلاح اور بھلائی کا معاملہ کرنا بہتر طرزِ عمل ہے۔

﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملائے رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے مفسد کو بھی اور مصلح کو بھی۔''

وہ جانتا ہے کہ کون بدنیتی سے یتیم کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے اور کون یتیم کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ یہ ہنڈیا علیحدہ کر کے بھی گڑبڑ کر سکتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو ہنڈیا مشترک کر کے بھی حق پر رہ سکتا ہے۔

﴿وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں سختی ہی میں ڈالے رکھتا۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشقت اور سختی سے بچایا اور تم پر آسانی فرمائی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؁﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

وہ انتہائی مشقت پر مبنی سخت سے سخت حکم بھی دے سکتا ہے' اس لیے کہ وہ زبردست ہے' لیکن وہ انسانوں کو مشقت میں نہیں ڈالتا' بلکہ اس کے ہر حکم کے اندر حکمت ہوتی ہے۔ اور جہاں حکمت نرمی کی متقاضی ہوتی ہے وہاں وہ رعایت دیتا ہے۔

آیت ۲۲۱ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ﴾ ''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ﴾ ''اور ایک مؤمنہ لونڈی بہتر ہے ایک آزاد مشرکہ عورت سے اگرچہ وہ تمہیں اچھی بھی لگتی ہو۔''

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ﴾ ''اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ﴾ ''اور ایک مؤمن غلام بہتر ہے ایک آزاد مشرک مرد سے اگرچہ وہ تمہیں پسند بھی ہو۔''

خواہ وہ صاحب حیثیت اور مال دار ہو' لیکن دولت ایمان سے محروم ہو تو تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی بہن یا بیٹی اس کے نکاح میں دے دو۔

﴿اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ ''یہ لوگ آگ کی طرف بلا رہے ہیں۔''
اگر ان سے رشتے ناتے جوڑو گے تو وہ تمہیں بھی جہنم میں لے جائیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی۔

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ﴾ ''اور اللہ تمہیں بلا رہا ہے جنت کی طرف اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے۔''

﴿وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور وہ اپنی آیات واضح کر رہا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

قرآن فہمی کے طالبان کے لیے عظیم خوشخبری

شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے سابق چیئرمین اور قرآن اکیڈمی کے استاذ الاساتذہ

پروفیسر حافظ احمد یار مرحوم ومغفور
کی صرفی و نحوی تشریح پر مبنی

مکمل ترجمۂ قرآن مجید

تقریباً 300 گھنٹے کے کلاس روم لیکچرز
اب صرف ایک DVD میں دستیاب ہیں

ہدیہ: 70 روپے + ڈاک خرچ 30 روپے
(بذریعہ ڈاک منگوانے کے خواہش مند حضرات 100 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں!)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501
email : maktaba@tanzeem.org website : www.tanzeem.org

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۷۱

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾﴾

خ ف ی

خَفِیَ (س) خُفْیَۃً : پوشیدہ ہونا' چھپا ہوا ہونا۔ ﴿وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (ابراھیم:۳۸) ''اور پوشیدہ نہیں ہوتی اللہ پر (یعنی اللہ سے) کوئی بھی چیز۔''

خَافٍ (اسم الفاعل): پوشیدہ ہونے والا۔ ﴿لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ ﴿۱۸﴾﴾ (الحاقۃ) ''پوشیدہ نہیں ہوگی تم سے کوئی پوشیدہ ہونے والی (جان)۔''

اَخْفٰی (افعل التفضیل) : زیادہ پوشیدہ۔ ﴿فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ﴿۷﴾﴾ (طٰہٰ) ''تو وہ جانتا ہے بھید کو اور زیادہ پوشیدہ کو۔''

خَفِیٌّ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : پوشیدہ۔ ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾﴾ (مریم) ''اور جب اس نے پکارا اپنے رب کو ایک پوشیدہ پکار سے۔''

اَخْفٰی (افعال) اِخْفَاءً: پوشیدہ کرنا' چھپانا۔ ﴿وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ﴾

(الممتحنۃ:۱) ''اور میں جانتا ہوں اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو اور اس کو جو تم لوگ اعلان کرتے ہو۔''

اِسْتَخْفٰی (استفعال) اِسْتِخْفَاءً : پوشیدگی چاہنا' یعنی چھپنا۔﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ (النساء:۱۰۸) ''وہ لوگ چھپتے ہیں انسانوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے۔''

مُسْتَخْفٍ (اسم الفاعل) : چھپنے والا۔﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ﴾ (الرعد:۱۰) ''اور وہ جو چھپنے والا ہے رات میں۔''

ترکیب: ''تُؤْتُوْا'' کا مفعول اوّل ''هَا'' کی ضمیر ہے جو ''اَلصَّدَقٰتِ'' کے لیے ہے اور ''اَلْفُقَرَاءَ'' مفعول ثانی ہے۔ ''يُكَفِّرُ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کو ''اَلصَّدَقٰتِ'' کے لیے ماننا ممکن نہیں ہے' کیونکہ ایسی صورت میں فعل ''تُكَفِّرُ'' آتا ہے۔

ترجمہ:

اِنْ : اگر	تُبْدُوا : تم لوگ ظاہر کرو
الصَّدَقٰتِ : صدقات کو	فَنِعِمَّا : تو کیا ہی اچھا ہے
هِيَ : وہ	وَاِنْ : اور اگر
تُخْفُوْهَا : تم لوگ چھپاؤ اس کو	وَتُؤْتُوْهَا : اور پہنچاؤ اسے
الْفُقَرَآءَ : حاجت مندوں کو	فَهُوَ : تو وہ (بھی)
خَيْرٌ : بہتر ہے	لَّكُمْ : تم لوگوں کے لیے
وَيُكَفِّرُ : اور وہ دور کرے گا	عَنْكُمْ : تم سے
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ : تمہاری برائیوں کو	وَاللّٰهُ : اور اللہ
بِمَا : اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ : تم لوگ کرتے ہو
خَبِيْرٌ : آگاہ ہے	

نوٹ (۱) : فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کو اعلانیہ دینا افضل ہے۔ اس کے علاوہ جو صدقات و خیرات ہیں ان کو چھپانا زیادہ بہتر ہے۔ یہی اصول تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کو اعلانیہ انجام دینا فضیلت رکھتا ہے اور نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت ۲۷۲

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾

ترکیب: ''لَيْسَ'' کا اسم ''هُدٰىهُمْ'' ہے۔اس کی خبر محذوف ہے جو کہ ''لِزَامًا'' ہو سکتی ہے۔ ''عَلَيْكَ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''لٰكِنَّ'' کا اسم ''اللّٰهَ'' ہے اس لیے منصوب ہے اور جملۂ فعلیہ ''يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ'' اس کی خبر ہے۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا'' کا ''مَا'' شرطیہ ہے' اس لیے ''تُنْفِقُوْا'' کا نونِ اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''فَلِاَنْفُسِكُمْ'' جملہ اسمیہ جوابِ شرط ہے۔اس کا مبتدأ ''هُوَ'' بھی محذوف ہے اور خبر بھی محذوف ہے جو ''وَاجِبٌ'' یا ''ثَابِتٌ'' ہو سکتی ہے۔ ''لِاَنْفُسِكُمْ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْنَ'' کا ''مَا'' نافیہ ہے اس لیے ''تُنْفِقُوْنَ'' کا نون نہیں گرا۔ ''اِبْتِغَاءَ'' حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''يُوَفَّ'' دراصل باب تفعیل کا مضارع مجہول ''يُوَفّٰى'' ہے' لیکن جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو ''ی'' گر گئی۔

ترجمہ:

لَيْسَ : نہیں ہے (لازم)	عَلَيْكَ : تجھ پر
هُدٰىهُمْ : ان کی ہدایت	وَلٰكِنَّ : اور لیکن (یعنی بلکہ)
اللّٰهَ : اللہ	يَهْدِيْ : ہدایت دیتا ہے
مَنْ : اس کو جس کو	يَّشَآءُ : وہ چاہتا ہے
وَمَا : اور جو بھی	تُنْفِقُوْا : تم لوگ خرچ کرتے ہو
مِنْ خَيْرٍ : کسی قسم کی کوئی بھلائی	فَلِاَنْفُسِكُمْ : تو وہ تمہارے اپنے آپ کے لیے ہے
وَمَا تُنْفِقُوْنَ : اور تم لوگ خرچ نہیں کرتے	اِلَّا : مگر
اِبْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ : اللہ کی خوشنودی کی جستجو کرتے ہوئے	وَمَا : اور جو بھی
تُنْفِقُوْا : تم لوگ خرچ کرتے ہو	مِنْ خَيْرٍ : کسی قسم کی کوئی بھلائی

يُوَفَّ :تو پورا حق دیا جائے گا	اِلَيْكُمْ :تم لوگوں کی طرف
وَاَنْتُمْ :اور تم لوگوں پر	لَا تُظْلَمُوْنَ :ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)

نوٹ (۱): ابتدا میں مسلمانوں کا خیال تھا کہ صرف مسلمان حاجت مندوں کی مدد کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس آیت میں ان کی یہ غلط فہمی دور کی گئی ہے کہ لوگوں سے ہدایت قبول کرانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تم لوگوں تک ہدایت پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ اب کسی کی مدد کرنے میں اس وجہ سے تأمل نہ کرو کہ اس نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اللہ کی رضا کے لیے جس انسان کی بھی مدد کرو گے اس کا اجر اللہ تمہیں دے گا۔ (تفہیم القرآن)

یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ یہاں انفاق سے مراد نفلی انفاق ہے جسے ذمی کافر کو دینا بھی جائز ہے' لیکن حربی کافر کو کسی قسم کا انفاق کرنا جائز نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ (۲): اس آیت میں لفظ ''خَيْرٍ'' کا ترجمہ عام طور پر ''مال'' کیا گیا ہے' لیکن ''مِنْ'' تبعیضیہ کی وجہ سے بہتر ہے کہ اسے عام رکھا جائے۔ اسی لیے ہم نے ''کسی قسم کی کوئی بھلائی'' ترجمہ کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس سے یہ راہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اگر مال خرچ کرنے کی استطاعت نہیں ہے' لیکن کسی انسان کی مدد کرنے کے لیے اگر تم اپنا علم' تجربہ اور مشورہ وغیرہ بروئے کار لاتے ہو یا صرف کسی کا دکھ ہی سن لیتے ہو تو یہ سب کچھ ''مِنْ خَيْرٍ'' میں شامل ہے' اور اگر یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کی غرض سے کیا جائے تو یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا پورا پورا اجر ملے گا۔ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ social fibre (یعنی معاشرتی بندھن) کو مضبوط کرنے میں مالی انفاق کی نسبت غیر مالی انفاق زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اس غیر مالی انفاق میں اگر ذمی کافر کو شامل کیا جائے تو یہ اسلام کی زیادہ مؤثر تبلیغ بھی ہوگی۔

آیت ۲۷۳

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾

ع ف ف

عَفَّ (ض) عِفَّةً :ہر ناپسندیدہ بات اور کام سے محفوظ ہونا' پاک دامن ہونا۔

تَعَفَّفَ (تفعّل) تَعَفُّفًا : ناپسندیدہ چیزوں سے خود کو روکنا' جھجکنا' خوددار ہونا۔ آیت زیرمطالعہ۔

اِسْتَعَفَّ (استفعال) اِسْتِعْفَافًا : ناپسندیدہ چیزوں سے بچاؤ چاہنا' بچنا' باز رہنا۔ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ (النساء:٦) ''اور جو غنی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ باز رہے۔''

ل ح ف

لَحَفَ (ف) لَحْفًا : کسی چیز کو کپڑے سے ڈھکنا۔

اَلْحَفَ (افعال) اِلْحَافًا : کسی پر چھا جانا' لپٹنا۔ آیت زیرمطالعہ۔

ترکیب: ''لِلْفُقَرَاءِ'' سے پہلے اس کا مبتدأ محذوف ہے جو کہ ''اَلْاِنْفَاق'' یا ''تِلْكَ الصَّدَقٰتُ'' ہوسکتا ہے۔ اس کی خبر بھی محذوف ہے۔ ''لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اَلَّذِيْنَ'' کے لیے ہے۔ ''ضَرْبًا'' مفعول ہے۔ ''يَحْسَبُ'' کا فاعل ''اَلْجَاهِلُ'' ہے اور اس پر لامِ جنس ہے۔ اس کا مفعول اول ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اَلَّذِيْنَ'' کے لیے ہے اور ''اَغْنِيَاءَ'' مفعول ثانی ہے۔ ''مِنَ التَّعَفُّفِ'' کا ''مِنْ'' سببیہ ہے۔ ''اِلْحَافًا'' حال ہے۔

ترجمہ:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ : یہ ایسے حاجت مندوں کے لیے ہے جو — اُحْصِرُوْا : روک دیے گئے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں — لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ : جو صلاحیت نہیں رکھتے

ضَرْبًا : سفر کرنے کی — فِي الْاَرْضِ : زمین میں

يَحْسَبُهُمُ : گمان کرتے ہیں جن کو — الْجَاهِلُ : ناواقف لوگ

اَغْنِيَآءَ : خوش حال — مِنَ التَّعَفُّفِ : خوددار ہونے کے سبب سے

تَعْرِفُهُمْ : تو پہچانے گا جن کو — بِسِيْمٰهُمْ : ان کی علامت سے

لَا يَسْئَلُوْنَ : وہ لوگ نہیں مانگتے — النَّاسَ : لوگوں سے

اِلْحَافًا : لپٹتے ہوئے — وَمَا : اور جو بھی

تُنْفِقُوْا : تم لوگ خرچ کرتے ہو — مِنْ خَيْرٍ : کسی قسم کی بھلائی

فَاِنَّ اللّٰهَ : تو یقیناً اللہ — بِهٖ عَلِيْمٌ : اس کو جاننے والا ہے

آیت ۲۷۴

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾﴾

ترجمہ:

اَلَّذِیْنَ : جو لوگ	یُنْفِقُوْنَ : خرچ کرتے ہیں
اَمْوَالَھُمْ : اپنے مال	بِالَّیْلِ : رات میں
وَالنَّھَارِ : اور دن میں	سِرًّا : چھپاتے ہوئے
وَّعَلَانِیَةً : اور ظاہر کرتے ہوئے	فَلَھُمْ : تو ان کے لیے ہے
اَجْرُھُمْ : ان کا اجر	عِنْدَ رَبِّھِمْ : ان کے ربّ کے پاس
وَلَا خَوْفٌ : اور کوئی خوف نہیں ہے	عَلَیْھِمْ : ان پر
وَلَا ھُمْ : اور نہ ہی وہ لوگ	یَحْزَنُوْنَ : پچھتاتے ہیں

آیت ۲۷۵

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَھٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾﴾

خ ب ط

خَبَطَ (ض) خَبْطًا : کسی چیز کو روندنا' کچلنا۔

تَخَبَّطَ (تفعّل) تَخَبُّطًا : کسی چیز کو روند کر غیر متوازن کر دینا' دیوانہ بنا دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

س ل ف

سَلَفَ (ن) سَلَفًا : آگے بڑھنا' پہلے گزرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

سَلَفٌ (اسم ذات) : گزری ہوئی چیز۔ ﴿فَجَعَلْنٰھُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾

(الزخرف) ''تو ہم نے بنایا ان کو ایک گزری ہوئی چیز اور ایک مثال بعد والوں کے لیے۔''

اَسْلَفَ (افعال) اِسْلَافًا : آگے کرنا' آگے بھیجنا۔ ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ﴾ (یونس: ۳۰) ''وہاں جانچ لے گی ہر جان اس کو جو اُس نے آگے بھیجا۔''

ع و د

عَادَ (ن) عَوْدًا : کوئی کام شروع کرنے کے بعد اس کی ابتدا کی طرف دوبارہ لوٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے: (۱) کوئی کام دوبارہ یا پھر سے کرنا۔ (۲) کسی کی طرف واپس ہونا۔ (۳) پہلی حالت پر لوٹنا' دوبارہ ہو جانا۔ ﴿رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ (المؤمنون) ''اے ہمارے ربّ! تو نکال ہم کو اس سے' پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔'' ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ (ابرٰھیم: ۱۳) ''ہم لازماً نکالیں گے تم لوگوں کو اپنی سرزمین سے یا تم لوگ لازماً واپس ہو گے ہمارے مذہب میں۔'' ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ (یٰسٓ) ''اور چاند! ہم نے مقرر کیا اس کو منزلوں کے لحاظ سے یہاں تک کہ وہ پھر سے ہو جائے پرانی ٹہنی کی مانند۔''

عَائِدٌ (اسم الفاعل) : دوبارہ کرنے والا' واپس ہونے والا۔ ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ﴾ (الدُّخان) ''بے شک ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑا سا' بے شک تم لوگ دوبارہ کرنے والے ہو۔''

مَعَادٌ (مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف) : لوٹنے یا واپس ہونے کی جگہ۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾ (القصص: ۸۵) ''بے شک جس نے فرض کیا آپؐ پر قرآن' وہ ضرور لوٹانے والا ہے آپؐ کو واپس ہونے کی جگہ کی طرف۔''

عِيْدٌ : خوشی کا ایسا دن جو ہر سال لوٹ آئے' عید۔ ﴿رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا﴾ (المائدۃ: ۱۱٤) ''اے ہمارے ربّ! تو اُتار ہم پر ایک خوان آسمان سے' ہو جائے ہمارے لیے ایک عید۔''

عَادٌ : حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام ہے۔ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ (الاعراف: ٦٥) ''اور عاد کی طرف ان کے بھائی ھودؑ کو۔''

اَعَادَ (افعال) اِعَادَةً : (۱) واپس لے جانا' (۲) واپس لانا' (۳) لوٹانا۔ ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ (طٰہٰ: ۵۵) ''اس سے (یعنی زمین سے) ہم نے پیدا کیا تم کو اور اس میں ہم

واپس لے جائیں گے تم کو۔" ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا﴾ (بنی اسراء یل: ۵۱) "تو وہ لوگ عنقریب کہیں گے کون دوبارہ لائے گا ہم کو۔" ﴿وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ (طٰہٰ) "اور آپ خوف مت کریں۔ ہم عنقریب لوٹا دیں گے اس کو اس کی پہلی حالت پر۔"

ترکیب: "مَوْعِظَةٌ" مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل "جَاءَ" مذکر کے صیغے میں بھی درست ہے۔ "مَنْ عَادَ" کا "مَنْ" شرطیہ ہے اس لیے "عَادَ" کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔

ترجمہ:

اَلَّذِيْنَ : جو لوگ — يَاْكُلُوْنَ : کھاتے ہیں

الرِّبٰوا : سود — لَا يَقُوْمُوْنَ : وہ لوگ نہیں کھڑے ہوں گے

اِلَّا : مگر — كَمَا : اس طرح جیسے

يَقُوْمُ الَّذِيْ : کھڑا ہوتا ہے وہ — يَتَخَبَّطُهُ : خبطی کر دیتا ہے جس کو

الشَّيْطٰنُ : شیطان — مِنَ الْمَسِّ : چھوکر

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ : یہ اس سبب سے کہ انہوں نے — قَالُوْآ : کہا

اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ — الْبَيْعُ : خرید وفروخت کرنا

مِثْلُ الرِّبٰوا : سود کی مانند ہے — وَاَحَلَّ : حالانکہ حلال کیا

اللّٰهُ : اللہ نے — الْبَيْعَ : خرید وفروخت کرنے کو

وَحَرَّمَ : اور اس نے حرام کیا — الرِّبٰوا : سود کو

فَمَنْ جَآءَهٗ : پس وہ آئی جس کے پاس — مَوْعِظَةٌ : کوئی نصیحت

مِّنْ رَّبِّهٖ : اس کے ربّ (کی طرف) سے — فَانْتَهٰى : پھر وہ باز آیا

فَلَهٗ : تو اس کے لیے ہے — مَا : وہ جو

سَلَفَ : گزر گیا — وَاَمْرُهٗ : اور اس کا حکم (یعنی فیصلہ)

اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف ہے — وَمَنْ : اور وہ جس نے

عَادَ : دوبارہ کیا — فَاُولٰٓئِكَ : تو وہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ : آگ والے ہیں — هُمْ : وہ لوگ

فِيْهَا : اس میں — خٰلِدُوْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہیں

آیت ۲۷۶

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾

م ح ق

مَحَقَ (ف) مَحْقًا: گھٹانا، برکت ختم کر دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ:

يَمْحَقُ: گھٹاتا ہے	اللّٰهُ: اللہ
الرِّبٰوا: سود کو	وَيُرْبِي: اور وہ بڑھاتا ہے
الصَّدَقٰتِ: صدقات کو	وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا	كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ: کسی گنہگار ناشکرے کو

آیت ۲۷۷

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

ترکیب: ''اٰتَوُا'' دراصل ''اٰتَوْا'' ہے۔ آگے ملانے کے لیے واؤ کو ضمہ دی گئی ہے۔ دیکھیں البقرۃ: ۱۱۰۔ نوٹ: ا۔

ترجمہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ: بے شک جو لوگ	اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَعَمِلُوا: اور انہوں نے عمل کیے	الصّٰلِحٰتِ: نیک
وَاَقَامُوا: اور قائم کی	الصَّلٰوةَ: نماز
وَاٰتَوُا: اور پہنچائی	الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ
لَهُمْ: (تو) ان کے لیے ہے	اَجْرُهُمْ: ان کا اجر
عِنْدَ رَبِّهِمْ: ان کے رب کے پاس	وَلَا خَوْفٌ: اور کوئی خوف نہیں ہے
عَلَيْهِمْ: ان پر	وَلَا هُمْ: اور نہ ہی وہ لوگ
يَحْزَنُوْنَ: پچھتاتے ہیں	

آیت ۲۷۸

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾

ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ : اے لوگو! جو
اٰمَنُوا : ایمان لائے
اتَّقُوا : تم لوگ تقویٰ اختیار کرو
اللّٰهَ : اللہ کا
وَ : اور
ذَرُوْا : تم لوگ چھوڑ دو
مَا : اس کو جو
بَقِیَ : باقی بچا
مِنَ الرِّبٰۤوا : سود میں سے
اِنْ كُنْتُمْ : اگر تم لوگ
مُّؤْمِنِیْنَ : مؤمن ہو

آیت ۲۷۹

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾

ح ر ب

حَرَبَ (ن) حَرْبًا : کسی کی کوئی چیز لوٹ لینا' حاصل کر لینا۔

حَرِبَ (س) حَرَبًا : سخت غضب ناک ہونا۔

حَرْبٌ (اسم فعل) : لڑائی' جنگ (یعنی انتہائی غضب کی حالت میں دوسرے کا سب کچھ یہاں تک کہ زندگی بھی چھین لینے کا عمل)۔ آیت زیر مطالعہ۔

مِحْرَابٌ ج مَحَارِیْبُ (مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم آلہ) : کسی سے کچھ حاصل کرنے کا ذریعہ یا کنجی۔ اسی بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے: (۱) آرام و سکون حاصل کرنے کے لیے مکان میں داخل ہونے کا ذریعہ' مکان کی محراب' دروازہ' کھڑکی۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے اس سے ہم کلامی کا ذریعہ' مسجد کی محراب۔ ﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ (صٓ) ''جب انہوں نے پھلانگا دروازے کو۔'' ﴿وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی

الْمِحْرَابِ﴾ (آل عمران:۳۹) ''اور وہ کھڑا تھا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا محراب میں۔'' ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾ (سبا:۱۳) ''وہ لوگ عمل کرتے (یعنی بناتے) اس کے لیے جو وہ چاہتا محرابوں میں سے۔''

حَارَبَ (مفاعلہ) مُحَارَبَةٌ: لڑائی کرنا' جنگ کرنا۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (المائدۃ:۳۳) ''جو لوگ لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے۔''

ترکیب: ''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا'' کے بعد ''هٰذَا'' یا ''ذٰلِكَ'' محذوف ہے جو گزشتہ آیت میں ''ذَرُوْا'' کی طرف اشارہ ہے۔ فعل امر ''اِيْذَنْ'' میں ''ی'' دراصل فا کلمہ کے ہمزہ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اسے جب ماقبل سے ملا کر پڑھتے ہیں تو فا کلمہ کا ہمزہ اصلی واپس آ جاتا ہے اور ماقبل سے ملا کر پڑھا جاتا ہے' جبکہ فعل امر کا ہمزۃ الوصل صامت (silent) ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو لکھنے میں بھی گرا دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت ''ف ا أ ذ ن= فَائْذَنْ'' بھی درست ہے اور ''فَأْذَنْ'' بھی درست ہے۔ اس آیت میں ہمزۃ الوصل گرا کر ''فَأْذَنْ'' کا جمع مذکر کا صیغہ ''فَأْذَنُوْا'' استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا: پس اگر تم لوگ نہیں کرتے (اس کو)	فَأْذَنُوْا: تو تم لوگ سن لو
بِحَرْبٍ: ایک جنگ (کی خبر)	مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: اللہ اور اس کے رسول (کی طرف) سے
وَاِنْ تُبْتُمْ: اور اگر تم لوگ توبہ کرتے ہو	فَلَكُمْ: تو تمہارے لیے ہیں
رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ: تمہارے مالوں کے سر (یعنی زرِ اصلی)	لَا تَظْلِمُوْنَ: تم لوگ ظلم نہیں کرو گے
وَلَا تُظْلَمُوْنَ: اور نہ تم لوگوں پر ظلم کیا جائے گا	

آیت ۲۸۰

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۸۰﴾

ترکیب: ''اِنْ'' حرفِ شرط' ''كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ'' شرط اور ''فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ'' جوابِ شرط ہے۔ اس میں ''كَانَ'' تامہ ہے اور ''ذُوْ عُسْرَةٍ'' اس کا فاعل ہے' اس لیے ''ذُوْ'' مرفوع ہے۔ ''خَيْرٌ'' افعل التفضیل ہے اور خبر ہے۔ اس کا مبتدأ ''فَهُوَ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

وَاِنْ : اور اگر
كَانَ : وہ ہو
ذُوْ عُسْرَةٍ : تنگی والا
فَنَظِرَةٌ : تو مہلت ہے
اِلٰى مَيْسَرَةٍ : کشادگی تک
وَاَنْ : اور یہ کہ
تَصَدَّقُوْا : تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو
خَيْرٌ : (تو یہ) زیادہ بہتر ہے
لَّكُمْ : تمہارے لیے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اگر تم لوگ جانتے ہو

آیت ۲۸۱

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۲۸۱﴾﴾

ترکیب: ''وَاتَّقُوْا'' کا فاعل اس میں ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے' جبکہ ''يَوْمًا'' اس کا مفعول ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ آگے اس کی خصوصیت ہے۔ ''تُوَفّٰى'' بابِ تفعیل میں مضارع مجہول کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ ''كُلُّ نَفْسٍ'' اس کا نائب فاعل ہے اس لیے ''كُلُّ'' مرفوع ہے۔

ترجمہ:

وَاتَّقُوْا : اور تم لوگ بچو
يَوْمًا : ایک ایسے دن سے
تُرْجَعُوْنَ : تم لوگ لوٹائے جاؤ گے
فِيْهِ : جس میں
اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف
ثُمَّ تُوَفّٰى : پھر پورا پورا دیا جائے گا
كُلُّ نَفْسٍ : ہر ایک جان کو
مَّا : وہ جو
كَسَبَتْ : اس نے کمایا
وَ : اس حال میں کہ

هُمْ: ان پر لَا يُظْلَمُوْنَ: ظلم نہیں کیا جائے گا
(یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)

نوٹ (۱) : سود کے حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جیسے سورۃ الانفال کی آیت ۶۰ میں دشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کے لیے گھوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ اب ہم گھوڑوں کے بجائے ٹینک رکھتے ہیں لہٰذا اس سے مذکورہ آیت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی' اسی طرح سود سے متعلق مذکورہ بالا آیات میں بھی اُس زمانے کے سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا' لہٰذا اب زمانے کی ترقی کے ساتھ بینک کے تجارتی سود پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ تو جس طرح اُمت کے فوجی استحکام کے لیے ٹینک کا استعمال ضروری ہے اسی طرح اُمت کے معاشی استحکام کے لیے بینک کے تجارتی سود کا استعمال ضروری ہے۔

اس دلیل میں جو منطقی کجی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ وہ از خود عیاں ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ سورۃ الانفال کی مذکورہ آیت میں دشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں اس قوت کی جو بھی شکل ہوگی اسی شکل میں اسے جمع کرنے سے اس آیت کے حکم پر عمل ہوگا۔ جبکہ سود سے متعلق مذکورہ آیات میں ہمیں سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں سود کی جو بھی شکل ہوگی اس کی ہر شکل کو چھوڑ کر ہی ان آیات کے حکم پر عمل ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں غرباء کو ان کی ضروریات کے لیے سود پر قرض دینے کا رواج تھا جس کی وجہ سے غریب لوگ قرضوں اور سود در سود کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے تھے' جو کہ صریحاً ظلم تھا۔ ہمیں اُس سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے' جبکہ آج کل بینک کا تجارتی سود وہ سود نہیں ہے' کیونکہ ان قرضوں سے تاجر اور صنعت کار منافع کماتے ہیں اور اس میں سے سود دیتے ہیں' اس لیے مذکورہ حکم کا اطلاق تجارتی قرضوں پر نہیں ہوتا۔

یہ بات اُس وقت کے عرب معاشرے سے ناواقفیت کی وجہ سے کہی جاتی ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ اُس وقت پورے عرب معاشرے میں قبائلی نظام رائج تھا اور ان کی معاش کا انحصار زراعت سے زیادہ تجارت پر تھا۔ قبائلی نظام کی ایک بہت اہم خصوصیت ہے کہ کسی قبیلے کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پورا قبیلہ اسے مشکل سے نکالنے کے لیے اس کی مدد کرتا ہے۔ وہ اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لیے سود پر قرضہ دے کر اس کا نام AID (مدد) نہیں رکھتا۔ یہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس لیے یہ

کہنا خلافِ واقعہ ہے کہ اس زمانے میں غیر تجارتی قرضوں اور سود کا رواج تھا۔ اگر کبھی کوئی غریب کسی یہودی کے چنگل میں پھنس بھی جاتا تھا تو وہ استثناء شمار ہوگا' اسے رواج کہنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور اُس زمانے میں بھی تجارتی قرضوں اور سود کا ہی رواج تھا جسے حرام قرار دیا گیا۔

تجارتی قرضوں پر بھی سود کی ممانعت کی جو بنیادی وجہ ہے اس کو سمجھ کر ذہن نشین کرلیں۔ ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے سود پر تجارتی قرض لیتا ہے۔ اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو سرمایہ دار کے حصے میں منافع کی کریم یعنی مکھن آتا ہے اور تاجر کے حصے میں مکھن نکلا ہوا منافع آتا ہے' حالانکہ سرمایہ دار آرام سے گھر بیٹھا رہا اور تاجر نے دن رات ایک کیا۔ اگر تجارت میں نقصان ہوتا ہے تو سارا نقصان تاجر کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ ''مَرے پر سَو دُرّے'' کے مصداق سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقۂ کار میں ایک فریق کے مفادات کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے' جو کہ سرمایہ دار ہے' جبکہ دوسرے فریق یعنی تاجر کو کلیتاً حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ صریحاً ناانصافی اور ظلم ہے' اس لیے اللہ نے سود کو حرام کیا ہے۔

ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے نفع و نقصان میں شراکت پر تجارتی قرض لیتا ہے۔ اب اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو دونوں مل کر اسے کھاتے ہیں اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں مل کر اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں' اس طرح دونوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ طریقۂ کار انصاف اور عدل پر مبنی ہے' اس لیے اللہ نے ''بیع'' کو حلال کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نفع و نقصان میں شراکت پر قرض دیا گیا تو تاجر غلط نقصان دکھائے گا اور بینک نقصان میں رہیں گے' اس لیے اس مسئلہ کا قابلِ عمل حل یہی ہے کہ قرضہ مقررہ شرح یعنی سود پر دیا جائے۔ لیکن پاکستان میں جس طرح تھوک کے حساب سے قرضے معاف (write off) کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سود پر قرضہ دینا بھی اس مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ ہے۔

شرحِ سود مقرر ہونے کی وجہ سے بینک زیادہ چھان بین نہیں کرتا کہ جس تجارت یا صنعت کے لیے قرض لیا جا رہا ہے اس کے نفع بخش ہونے کے کیا امکانات ہیں۔ محض کاغذی کارروائی پوری کرنے کے لیے ایک feasibility report فائل میں لگا لی جاتی ہے۔ اکثر بیشتر بینک کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا دیا ہوا تجارتی قرضہ تاجر نے کہاں خرچ کیا ہے۔ یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بنا پر قرضوں کے نادہندگان کی فہرست دن بدن طویل ہوتی جا رہی ہے۔

یہی سرمایہ اگر نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر دیا جائے تو منصوبوں کی چھان بین کرنے کے لیے بینک کو اپنا ایک نظام وضع کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ قرضوں کو خرچ کرنے کی نگرانی کرنا بھی بینک کے لیے ضروری ہو جائے گا۔ اس طرح نادہندگان کی تعداد بہت کم ہوگی اور جو بھی قرضے معاف کیے جائیں گے وہ جعلی نہیں ہوں گے۔

ایک یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں لفظ''رِبٰو''ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد وہ اضافہ تھا جو تجارتی قرضوں پر مقررہ شرح سے حاصل کیا جاتا' جبکہ تجارتی لین دین سے حاصل ہونے والے نفع کے لیے''بیع'' کی اصطلاح مخصوص تھی۔ البتہ نفع و نقصان میں شراکت والے معاہدے بھی شامل تھے' جیسے نبی کریم ﷺ حضرت بی بی خدیجہ ؓ کا سامانِ تجارت لے کر بیرونِ ملک جاتے تھے۔

اس حقیقت کا ایک واضح ثبوت عربوں کا یہ قول ہے جو قرآن کریم میں منقول ہے کہ:
﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ''یہ کہتے ہیں: بیع بھی تو ربا کی مانند ہے''۔ لیکن مشابہت کے باوجود وہ لوگ ان کے فرق سے بھی واقف تھے' جبھی تو ان کے لیے الگ الگ اصطلاح استعمال کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا' بلکہ صرف اپنا فیصلہ سنایا کہ: ''اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے''۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس مسئلہ کو کس طرح سمجھا اور دیکھا ہے۔ ابنِ عربیؒ نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا کہ: ''ربا کے معنی اصل لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی مال نہ ہو (یعنی کوئی شے نہ ہو)' بلکہ محض ادھار اور اس کی میعاد ہو''۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ: ''ربا کی دو قسمیں ہیں: ایک معاملاتِ بیع وشراء کے اندر' دوسرے ادھار کا ربا۔ اور جاہلیت عرب میں (ربا کے نام سے) دوسری قسم ہی رائج اور معروف تھی کہ وہ اپنا مال (یعنی پیسہ) کسی کو معین میعاد کے لیے دیتے تھے اور مخصوص مدت پر اس کا نفع لیتے تھے۔ اگر میعادِ معین پر ادائیگی نہ کر سکا تو میعاد بڑھا دی جاتی تھی بشرطیکہ وہ سود کی رقم بڑھا دے۔ یہی جاہلیت کا ربا تھا جس کو قرآن نے حرام کیا''۔ (منقول از معارف القرآن' ج۱' ص۶۶۴)۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر پیسہ ادھار دے کر نفع لیا جائے تو یہ ربا ہے جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے' جبکہ اگر کوئی چیز بیچ کر نفع لیا جائے تو یہ بیع وشراء ہے جسے قرآن

نے حلال قرار دیا ہے۔

سود کے متعلق آیات کے نزول کے وقت صحابہ کرام ؓ کو ''بیع'' اور ''ربا'' میں تمیز کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ انہوں نے ربا کا کاروبار ترک کر دیا' جبکہ بیع کا کاروبار بدستور جاری رہا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اس سے نہیں روکا۔

مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ: ''البتہ نبی کریم ﷺ نے ربا کے مفہوم میں بیع وشراء کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا جن کو عرب ربا نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً چھ چیزوں کی بیع وشراء میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر ہونا چاہیے اور نقد دست بدست ہونا چاہیے۔ اس میں کمی بیشی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو یہ بھی ربا ہے۔ یہ چھ چیزیں سونا' چاندی' گندم' جو' کھجور اور انگور ہیں''۔ (معارف القرآن' ج ا' ص ۶۶۵)

مفتی محمد شفیعؒ نے مزید لکھا ہے کہ: ''اس میں یہ بات قابل غور تھی کہ ان چھ چیزوں کی خصوصیت ہے یا ان کے علاوہ اور بھی چیزیں ان کے حکم میں ہیں؟ اور اگر ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟ یہی اشکال حضرت فاروق اعظم ؓ کو پیش آیا جس کی بنا پر فرمایا کہ آیت ربا قرآن کی آخری آیتوں میں ہے' اس کی پوری تفصیلات بیان فرمانے سے پہلے رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی' اس لیے اب احتیاط لازم ہے' ربا کو تو چھوڑنا ہی ہے' جس صورت میں ربا کا شبہ بھی ہو اُس کو بھی چھوڑ دینا چاہیے''۔ (معارف القرآن' ج ا' ص ۶۶۵)

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کا ایک جامع خطاب
☆ صفحات: 72 ☆ اشاعت خاص: 40 روپے' اشاعت عام: 15 روپے

نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

ایک افسانہ یا حقیقت؟

حافظ محمد زبیر ☆

منکرینِ نزولِ عیسیٰ بن مریمؑ

عصرِ حاضر میں جن متجدّدین نے نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے اہل سنت کے ہاں متفقہ اور مسلمہ عقیدے کا انکار کیا اُن میں سید جمال الدین افغانی' مفتی محمد عبدہٗ' علامہ محمد اسد' سرسید احمد خان' ڈاکٹر محمد اقبال' علامہ تمنا عمادی پھلواری' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا عبید اللہ سندھی' شیخ محمود شلتوت' مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی' مولانا شبیر ازہر میرٹھی' جاوید احمد غامدی اور ڈاکٹر شبیر احمد وغیرہم شامل ہیں۔ ہم ان حضرات میں سے چند ایک کی رائے کو اُن کے اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔ جناب سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

> ''اسی طرح مہدی و مسیح کی آمد کی جو روایات ہیں وہ ہمارے حصہ میں غیر مسلموں کے ہاتھوں ڈالی گئی ہیں اور قرآن کریم ان لغویات سے پوری طرح پاک ہے''۔ (سرسید احمد خان' جلد ۷' ص ۱۲۳)

علامہ اقبال سے جب مہدی ومسیح کی احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی عالم سے یہ سوالات کرنے چاہئیں جو آپ نے مجھ سے کیے ہیں' میں زیادہ سے زیادہ آپ کو صرف اپنا عقیدہ بتا سکتا ہوں اور بس۔ میرے نزدیک مہدی' مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح اسپرٹ سے ان کو کوئی سروکار نہیں''۔
>
> (اقبال نامہ' حصہ دوم' خط ۸۷' ص ۲۳۱)

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''باقی رہا نزولِ مسیح کا معاملہ' تو یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے' اور اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر موقوف رہنے والی تھی تو ضروری تھا کہ قرآن صاف صاف اسے بیان کر دیتا' اسی طرح صاف صاف جس طرح اس نے تمام مہماتِ دینیہ واعتقادیہ بیان کر دی ہیں' لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں کوئی تصریح موجود نہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہم اس کے اعتقاد پر مجبور ہوں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی''۔ (روزنامہ زمیندار: ۲۶ جون ۱۹۳۶ء' لاہور)

مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں:

''حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے مسئلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ آ گیا تو اچھا' نہیں تو اس سے کوئی مصیبت نہیں آئے گی' ہم اس کو عقیدہ بنانے کے مخالف ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق کوئی صحیح حدیث ہماری نظر سے نہیں گزری' اور جتنی احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں سب کی سب معلل ہیں۔ قرآن مجید میں تو آمدِ مسیح کا یہ مسئلہ بالکل نہیں ہے' بلکہ اس کے خلاف موجود ہے''۔

(عقیدہ انتظارِ مسیح ومہدی' مولانا عبیداللہ سندھی' ص ۱۱)

مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی لکھتے ہیں:

''اس کے ساتھ یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے اور قربِ قیامت حضرت عیسیٰؑ کے دنیا میں نزول کا عقیدہ قطعاً غلط ہے''۔ (دینی نفسیات' محمد اسحاق صدیقی ندوی' ص ۵۰۵)

شبیر احمد ازہر میرٹھی لکھتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کے اواخرِ عہد سے جھوٹے لوگوں نے گھڑی ہوئی حدیثیں مسلمانوں میں پھیلانی شروع کر دی تھیں اور یہ منحوس سلسلہ تین صدی تک چلتا رہا۔ ان جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے بعض کہانیاں تو ایسی مشہور کر گئیں کہ معروف ومتداول کتب حدیث میں جگہ پا لینے کی وجہ سے عقائد کا درجہ پا گئی ہیں۔ یہ مشہور تر کہانیاں تین ہیں: ۱) ابن صیاد کے متعلق روایات۔ ۲) خروجِ دجال ونزولِ مسیح کے متعلق روایات۔ ۳) امام مہدی کے ظہور کے متعلق روایات''۔

ڈاکٹر شبیر احمد لکھتے ہیں:

''نوٹ کر لیجیے کہ ہمارے عوام یہ تو کہتے ہیں کہ مہدی ومسیح کی آمد کا ذکر احادیث میں آیا

ہے' لیکن اکثر لوگوں نے یہ روایات خود نہیں پڑھیں۔ یہ نہیں دیکھا کہ ان روایات میں کتنا تضاد ہے' کیا مضحکہ خیز اور بے سروپا باتیں کہی گئی ہیں۔ ایسی روایات کو رسول کریم ﷺ سے منسوب کرنا توہین نہیں تو اور کیا ہے''۔ (میں کرسچین کیوں نہیں ہوں' ڈاکٹر شبیر احمد' ص ۸۶)

نزول عیسیٰ بن مریمؑ کا قرآن میں تذکرہ

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قرآن' سنت متواترہ اور اہل سنت کے اجماع سے ثابت ہے۔ سب سے پہلے ہم قرآنی دلائل کا تذکرہ کریں گے۔ قرآن مجید میں تین مقامات ایسے ہیں جو کہ نزولِ عیسیٰ بن مریمؑ کی دلیل بنتے ہیں:

دلیل اوّل :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾﴾ (الزخرف)

''اور جب عیسیٰ بن مریمؑ کو بطورِ مثال بیان کیا گیا تو (اے نبیؐ!) آپ کی قوم کے لوگ اس پر چلانے لگے' اور انہوں نے کہا: کیا ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ بن مریمؑ)؟ وہ اس بات کو آپ کے سامنے صرف جھگڑا کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں' بلکہ وہ ایک جھگڑالو قوم ہے۔ وہ (یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ) تو صرف ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنایا۔ اور اگر ہم چاہتے تو لازماً تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں جانشین بناتے۔ اور وہ (یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ) البتہ قیامت کی ایک نشانی ہیں' پس تم اس (قیامت) کے

بارے میں ہرگز شک نہ کرو اور میری اتباع کرو۔ یہ ایک سیدھا راستہ ہے۔ شیطان تمہیں (میری اتباع سے) ہرگز نہ روکنے پائے یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ واضح نشانیاں لے کر آیا (تو) اُس نے کہا میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمہارے لیے بعض ان باتوں (کی حقیقت) کو کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ یقیناً اللہ میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔ یہ ایک سیدھا راستہ ہے"۔

یہاں پر ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں چار اقوال نقل کیے گیے ہیں:

۱) پہلا قول یہ ہے کہ 'وَاِنَّهٗ' میں 'ہٗ' ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور ان کے قیامت سے قبل نزول کو قیامت کی نشانی کہا گیا ہے۔

۲) دوسرا قول یہ ہے کہ 'وَاِنَّهٗ' میں 'ہٗ' ضمیر سے مراد تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں لیکن ان کو قیامت کی نشانی اس لیے کہا گیا کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مُردوں کے دوبارہ اٹھنے اور بعث بعد الموت پر دلیل ہے۔

۳) تیسرا قول یہ ہے کہ 'وَاِنَّهٗ' میں 'ہٗ' ضمیر سے مراد قرآن مجید ہے۔

۴) چوتھا قول یہ ہے کہ 'وَاِنَّهٗ' میں 'ہٗ' ضمیر سے مراد اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔

ان چار اقوال میں سے تیسرا اور چوتھا قول آیت کے سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ آیت کا سیاق و سباق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ 'اِنَّهٗ' میں 'ہٗ' ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں اس لیے پہلے دو اقوال میں سے کوئی ایک قول ہی صحیح ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب یہ کلام نازل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اس کلام سے مراد (معنی) ایک ہی تھی یا تو اللہ تعالیٰ کی مراد پہلا قول تھا یا پھر دوسرا قول مراد تھا۔ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کی تفسیر جلیل القدر مفسرین کی آراء اور جمہور مفسرین کے اقوال پہلے قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں۔ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدثنا ابن بشارقال ثنا عبد الرحمن قال ثنا سفيان عن عاصم عن أبی رزين عن يحيی عن ابن عباس''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' قال خروج عيسی بن مريم (تفسير طبری:سورة الزخرف:٦١)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نکلنا ہے''۔

حدثنا أبو كريب قال حدثنا ابن عطية عن فضيل بن مرزوق عن جابرقال كان ابن عباس يقول ما أدری علم الناس بتفسير هذه الآية أم لم يفطنوا لها وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال نزول عيسی بن مريم (أيضا)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ مجھے علم نہیں کہ کیا لوگوں کو اس آیت کی تفسیر معلوم ہے یا وہ اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول ہے''۔

اور بھی بہت سی اسناد کے ساتھ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ جبکہ امام سیوطیؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخرج عبد بن حميد عن أبی هريرة ''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' قال خروج عيسٰی (الدر المنثور: سورة الزخرف:٦١)

''حضرت ابو ہریرہؓ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نکلنا ہے''۔

امورِ غیبیہ میں صحابیؓ کی تفسیر محدثین کی اصطلاح میں حدیث مرفوع حکمی کہلاتی ہے' یعنی صحابیؓ کی اس تفسیر کو ہم حکماً یہی کہیں گے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی تفسیر ہے' کیونکہ صحابیؓ ایسے امور میں اپنی طرف سے بات نہیں کرتا۔ الدکتور محمود الطحان فرماتے ہیں:

هناك صور من الموقوف فی ألفاظها و شكلها لكن المدقق فی حقيقتها يری أنها بمعنی الحديث المرفوع لذا أطلق عليها العلماء اسم 'المرفوع حكما' أی انها من الموقوف لفظا المرفوع حكما 'و من هذه الصور: أن يقول الصحابی' الذی لم يعرف بالأخذ عن أهل الكتاب' قولا لا مجال للاجتهاد فيه و لا تعلق له ببيان لغة أو شرح غريب مثل الأخبار عن الأمور الماضية كبدء الخلق' أو الأخبار عن الأمور الآتية كالملاحم والفتن وأحوال

یوم القیامة' أو الأخبار عما یحصل بفعله ثواب مخصوص أو عقاب مخصوص ....(تیسیر المصطلح: ص ۱۳۰'۱۳۱)

''موقوف حدیث اپنے الفاظ اور شکلوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور علم حدیث کا گہرا علم رکھنے والا بعض اوقات اس بات تک پہنچ جاتا ہے کہ بظاہر موقوف نظر آنے والی حدیث درحقیقت مرفوع ہوتی ہے۔اس لیے علمائے حدیث اس کو 'مرفوع حکمی' کا نام دیتے ہیں' یعنی یہ حدیث لفظاً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔اور اس کی قسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسا صحابیؓ جو کہ اہل کتاب سے روایات لینے میں معروف نہ ہو' کسی ایسے مسئلے میں کوئی بات کہے' جس کا تعلق نہ تو اجتہادی امور سے ہو اور نہ وہ لغت کا بیان ہو اور نہ ہی کسی غریب لفظ کی تشریح ہو' جیسا کہ کوئی صحابیؓ اُمورِ ماضیہ مثلاً ابتدائے خلق سے متعلق کوئی بات کرے یا آنے والے حالات و واقعات مثلاً جنگوں' فتنوں اور قیامت کی نشانیوں کے بارے میں کوئی بات کہے۔یا صحابیؓ کوئی ایسی بات کہے' جس میں کسی فعل کے ارتکاب پر کسی خاص ثواب یا عذاب کا تذکرہ ہو......''

پس یہ ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ تفسیر حکماً اللہ کے رسول ﷺ کی تفسیر ہے اور صحابیؓ کی ایسی تفسیر حجت ہے' جس کا قبول کرنا واجب ہے۔

تابعینؒ کی تفسیر

تابعین میں مجاہدؒ' قتادہؒ' سدیؒ' ضحاکؒ اور ابن زیدؒ کا کہنا یہ ہے کہ ﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ سے مراد حضرت عیسٰی بن مریمؑ ہیں۔امام المفسرین ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

حدثنا محمد بن عمرو قال ثنا أبو عاصم قال ثنی عیسی و حدثنی الحارث قال ثنا لحسن قال ثنا ورقاء جمیعا عن ابن أ بی نجیح عن مجاھد قولہ وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ قال آیة للساعة خروج عیسی بن مریم قبل یوم القیامة (تفسیر طبری:سورۃ الزخرف:۶۱)

''حضرت مجاہدؒ ﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قیامت کی نشانی قیامت سے پہلے حضرت عیسٰی بن مریمؑ کا نکلنا ہے''۔

حدثنا بشر قال حدثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادة وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ نزول عیسی بن مریم علم للساعة (أیضا)

''حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول ہے''۔

حدثنا محمد قال ثنا أحمد قال ثنا أسباط عن السدی وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال خروج عیسی بن مریم قبل یوم القیامة (أیضا)

''حضرت سدیؒ سے روایت ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول ہے''۔

حدثت عن الحسین قال سمعت أبا معاذ یقول أخبرنا عبید قال سمعت الضحاك یقول فی قوله وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی خروج عیسی بن مریم و نزول من السماء قبل یوم القیامة (أیضا)

''حضرت ضحاکؒ سے مروی ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا خروج اور قیامت سے پہلے آسمان سے نزول مراد ہے''۔

حدثنی یونس قال أخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید فی قوله وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال نزول عیسی بن مریم علم للساعة حین ینزل (أیضا)

''حضرت ابن زیدؒ سے روایت ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کا نزول ہے جبکہ وہ نازل ہوں گے''۔

جلیل القدر مفسرین کی آراء:

امام ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' تقدم تفسیر ابن اسحاق ان المراد من ذلك ما بعث به عیسی علیه السلام من احیاء الموتی و ابراء الأکمه و الأبرص و غیر ذلك من الأسقام و فی هذا نظر و أبعد منه ما حکاه قتادة عن الحسن البصری و سعید بن جبیر أی الضمیر فی (وانه) عائد علی القرآن بل الصحیح انه عائد علی عیسی علیه السلام فان السیاق فی ذکره ثم المراد بذلك نزوله قبل یوم القیامة...... وقد تواترت الأحادیث عن رسول اللهﷺ أنه أخبر بنزول عیسی بن مریم قبل یوم القیامة اماما عادلا وحکما مقسطا (تفسیر ابن کثیر:الزخرف:٦١)

''ابن اسحاق'' نے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے معجزات ہیں۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا' کوڑھی اور پیدائشی اندھے اور دوسری بیماریوں والوں کو تندرست کرنا' لیکن یہ تفسیر محل نظر ہے اور اس سے بھی زیادہ دور کی تفسیر وہ ہے جو کہ قتادہؒ نے حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ سے بیان کی ہے کہ 'ہ' ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے' بلکہ صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول ہے...... اور رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ قیامت سے پہلے عادل اور منصف حکمران بن کر نازل ہوں گے''۔

امام النحو ابوحیان الاندلسیؒ (متوفی ۷۴۵ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والظاهر أن الضمير فی (وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يعود علی عيسٰی اذ الظاهر فی الضمائر السابقة أنها عائدة عليه (البحر المحیط: الزخرف:٦١)

''اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں ضمیر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے' کیونکہ سابقہ ضمائر بھی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہی کی طرف لوٹ رہی ہیں''۔

امام شوکانیؒ (متوفی ۱۲۵۰ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال مجاهد والضحاك والسدی وقتادة أن المراد المسيح وان خروجه مما يعلم به قيام الساعة لكونه شرطا من أشراطها لأن الله سبحانه وتعالی ينزله من السماء قبيل قيام الساعة كما أن خروج الدجال من أعلام الساعة' وقال الحسن و سعيد بن جبير المراد القرآن لأنه يدل علی قرب مجیء الساعة وبه يعلم وقتها و أهوالها وأحوالها وقيل المعنی أن حدوث المسيح من غير أب واحياؤه الموتی دليل علی صحة البعث و قيل الضمير لمحمد ﷺ و الأول أولی (فتح القدیر: الزخرف:٦١)

''مجاہدؒ' ضحاکؒ' سدیؒ اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد مسیح بن مریمؑ ہیں اور ان کے نکلنے سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' کیونکہ وہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو قیامت سے کچھ پہلے آسمان سے نازل فرمائیں گے جیسا کہ دجال کا نکلنا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے' کیونکہ قرآن قیامت کے آنے پر

دلالت کرتا ہے اور اسی قرآن سے اس قیامت کا وقت' اس کے حالات اور واقعات کا علم ہوتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور ان کا مُردوں کو زندہ کرنا قیامت کی نشانی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ ہیں' لیکن پہلا قول راجح ہے''۔

علامہ شنقیطیؒ (متوفی ۱۳۹۳ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

التحقيق أن الضمير في قوله (وَاِنَّهٗ) راجع الى عيسى لا الى القرآن و لا الى النبي ﷺ و معنى قوله ''لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' على القول الحق الصحيح الذي يشهد له القرآن العظيم و السنة المتواترة هو أن نزول عيسىٰ في آخر الزمان حيا علم للساعة أي علامة لقرب مجيئها لأنه من أشراطها الدالة على قربها (أضواء البيان:الزخرف:٦١)

''تحقیق اسی بات کی متقاضی ہے کہ 'اِنَّهٗ' میں ضمیر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف راجح ہے نہ کہ قرآن یا اللہ کے رسول ﷺ کی طرف' اور ﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کا معنی صحیح قول کے مطابق' جو کہ قرآن وسنت متواترہ سے بھی ثابت ہے' یہ ہے کہ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قیامت کی ایک نشانی ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کا یہ نزول قیامت کے قریب آنے کی ایک علامت ہے' کیونکہ وہ ان علامات میں سے ہیں جو کہ قیامت کے قرب پر دلالت کرتی ہیں''۔

شیخ الازہر علامہ سید طنطاوی ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فقال (وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) فالضمير في (اِنَّهٗ) يعود الى عيسىٰ لأن السياق في شأنه و قيل يعود الى القرآن أو الى الرسول و ضعف ذلك لأن الكلام في شأن عيسى...... والمعنى وان عيسى عند نزوله من السماء في آخر الزمان حيا ليكونن علامة على قرب قيام الساعة (الوسيط:الزخرف:٦١)

''اِنَّهٗ میں ضمیر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے' کیونکہ پیچھے ان کا تذکرہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے یا رسول ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ قول ضعیف ہے' کیونکہ یہ کلام حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی شان میں ہے...... آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا آخری زمانے میں زندہ نازل ہونا قیامت کے قرب کی علامت ہے''۔

سید قطب شہیدؒ (متوفی ۱۳۸۷ھ) ﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و قد وردت أحاديث شتى عن نزول عيسى الى الأرض قبيل الساعة و هو ما تشير اليه الآية وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ...... وهو غيب من الغيب الذى حدثنا عنه الصادق الأمين و أشار اليه القرآن الكريم و لا قول فيه بشر الا ما جاء في هذين المصدرين الثابتين الى يوم الدين (فى ظلال القرآن: الزخرف: ٦١)

''قیامت سے کچھ پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے زمین پر نزول کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں اور اسی بات کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کر رہی ہے ...... اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا یہ نزول غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جس کی خبر ہمیں صادق اور امین رسول ﷺ نے دی ہے اور اس کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے۔ اور کسی بشر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا انکار کرے جس کا اِن دو مصادر دینیہ (قرآن وسنت) میں تذکرہ ہو جو کہ قیامت تک باقی رہیں گے''۔

جمہور مفسرین کے اقوال

تفسیر مقاتل: معروف تابعی مفسر مقاتل بن حیانؒ (متوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يقول نزوله من السماء علامة الساعة (تفسير مقاتل ابن حيان: الزخرف: ٦١)

''﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے''۔

معانی القرآن: امام ابوجعفر النحاسؒ (متوفی ۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

ومعنى (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يعلم بنزول عيسٰى أن الساعة قد قربت (معاني القرآن: الزخرف: ٦١)

''﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے نزول سے یہ معلوم ہوگا کہ قیامت قریب ہے''۔

بحر العلوم: امام الہدیٰ ابولیث سمرقندیؒ (متوفی ۳۷۵ھ) ﴿وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يعنى نزول عيسى بن مريم علامة لقيام الساعة

(بحر العلوم:الزخرف:٦١)

''﴿وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قیامت کے قائم ہونے کی ایک علامت ہے''۔

لطائف الاشارات: امام قشیریؒ (متوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں:

(وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يعنى به عيسى اذا أنزله من السماء فهو علامة الساعة (لطائف الاشارات:الزخرف:٦١)

''﴿وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں جو کہ آسمان سے نازل ہوں گے اور وہ قیامت کی ایک علامت ہیں''۔

الوجیز: امام ابوالحسن الواحدیؒ (متوفی ۴۶۸ھ) لکھتے ہیں:

''(وَانَّهٗ) أى و ان عيسى (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) بنزوله يعلم قيام الساعة

(تفسير واحدى:الزخرف:٦١)

''وَانَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد یہ ہے کہ ان کے نزول سے قیامت کا علم ہوگا''۔

تفسیر بغوی: محی السنۃ امام بغویؒ (متوفی ۵۱۶ھ) ﴿وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

(وَانَّهٗ) يعنى عيسى بن مريم (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) يعنى نزوله من أشراط الساعة يعلم بها قربها (تفسير بغوى:الزخرف:٦١)

''وَانَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد یہ ہے کہ ان کا نزول قیامت کی ایک علامت ہے جس سے قیامت کے قریب ہونے کا علم ہوگا''۔

تفسیر کشاف: امام اللغۃ علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَانَّهٗ) وان عيسى (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) أى شرط من أشراطها تعلم به

(تفسير كشاف:الزخرف:٦١)

''وَانَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں جبکہ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں جن کے ذریعے قیامت کا علم ہوگا''۔

تفسیر رازی: امام المتکلمین فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) ﴿وَانَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) أى عيسى (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) شرط من أشراطها تعلم به

(مفاتيح الغيب:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں کہ جس سے قیامت کا علم ہوگا''۔

تفسیر قرطبی: امام قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قلت ثبت في صحيح مسلم و ابن ماجة عن أبي هريرة قاله قال رسول الله ﷺ لينزلن عيسى بن مريم حكما عادلا...... قال علمائنا فهذا نص على أنه ينزل مجددا لدين النبي ﷺ (تفسیر قرطبی:الزخرف:٦١)

''میں یہ کہتا ہوں کہ صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ایک عادل حکمران بن کر نازل ہوں گے...... ہمارے علماء (یعنی مالکیہ) کا کہنا یہ ہے کہ یہ روایات اس بارے میں نص ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کے نبی ﷺ کے دین کے مجدد بن کر نازل ہوں گے''۔

معالم التنزیل: امام بیضاویؒ (متوفی ۶۹۲ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) وان عيسى (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) لأن حدوثه أو نزوله من أشراط الساعة يعلم به دنوها (البیضاوی:الزخرف:٦١)

''یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا پیدا ہونا یا ان کا نازل ہونا قیامت کی علامات میں سے ہے جس سے قرب قیامت کا علم ہوگا''۔

مدارک التنزیل: امام ابو البرکات النسفیؒ (متوفی ۷۱۰ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) وان عيسى مما يعلم به مجيء الساعة (تفسیر نسفی:الزخرف:٦١)

''﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ سے قیامت کے آنے کا علم حاصل ہوگا''۔

لباب التأویل: امام خازنؒ (متوفی ۷۴۱ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) یعنی عیسی (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)یعنی نزوله من أشراط الساعة یعلم به قربها (تفسير خازن:الزخرف:٦١)

''یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قیامت کی علامات میں سے ہے جس سے اس کے قرب کا علم ہوگا''۔

اللباب فی علوم الکتاب: امام ابن عادل الحنبلیؒ (متوفی ۸۶۰ھ) فرماتے ہیں:

معنی الآیة أن نزول عیسی من أشراط الساعة یعلم بها قربها (اللباب:الزخرف:٦١)

''اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے جس سے قربِ قیامت کا علم ہوگا''۔

نظم الدرر: امام برہان الدین بقاعیؒ (متوفی ۸۸۵ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) أی عیسی علیه السلام (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) أی نزوله سبب للعلم بقرب الساعة (نظم الدرر:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ' سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' سے مراد یہ ہے کہ ان کا نزول قربِ قیامت کے علم کا سبب ہے''۔

تفسیر جلالین: امام جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) أی عیسی (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) تعلم بنزوله (تفسير جلالين:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ' سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' سے مراد یہ ہے کہ ان کے نزول سے قیامت کا علم ہوگا''۔

ارشاد العقل السلیم: امام ابوسعود العمادیؒ (متوفی ۹۸۲ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) وان عیسی (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) أی وأن نزوله شرط من أشراطها (تفسير ابو سعود:الزخرف:٦١)

''یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے''۔

روح المعانی: علامہ آلوسیؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) أی عیسی بن مریم (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) أی أنه بنزوله شرط من أشراطها (روح المعانی:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' سے مراد یہ ہے کہ ان کا نازل ہونا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے''۔

تفسیر البحر المدید: ابن عجیبہؒ (متوفی ۱۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

(وَاِنَّهٗ) أی عیسی (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) أی مما یعلم به مجیء الساعة (البحر المدید:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' سے مراد ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ سے قیامت کا علم حاصل ہوگا''۔

تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتیؒ (متوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

وَاِنَّهٗ یعنی عیسٰی 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' أی نزوله من أشراط الساعة یعلم به قربها (تفسیر مظهری:الزخرف:٦١)

''وَاِنَّهٗ سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں اور 'لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' سے مراد ہے کہ ان کا نازل ہونا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے، جس سے قیامت کے قرب کا علم ہوگا''۔

فتح البیان: نواب صدیق الحسن خان قنوجیؒ (متوفی ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' قال مجاهد والضحاك والسدی وقتادة أن المراد المسیح وان خروجه مما یعلم به قیام الساعة لکونه شرطا من أشراطها لأن الله سبحانه وتعالی ینزله من السماء قبیل قیام الساعة کما أن خروج الدجال من أعلام الساعة وقال الحسن وسعید بن جبیر المراد القرآن لأنه یدل علی قرب مجیء الساعة وبه یعلم وقتها وأهوالها وأحوالها وقیل المعنی أن حدوث المسیح من غیر أب واحیاؤه الموتی دلیل علی صحة البعث وقیل الضمیر لمحمد ﷺ والأول أولی (فتح البیان:الزخرف:٦١)

''مجاہدؒ، ضحاکؒ، سدیؒ اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد مسیح ابن مریمؑ ہیں اور ان کے نکلنے سے قیامت کا علم حاصل ہوگا، کیونکہ وہ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو قیامت سے کچھ پہلے آسمان

سے نازل فرمائیں گے' جیسا کہ دجال کا نکلنا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے' کیونکہ قرآن قیامت کے آنے پر دلالت کرتا ہے اور اسی قرآن سے اس قیامت کا وقت' اس کے حالات اور واقعات کا علم ہوتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور ان کا مُردوں کو زندہ کرنا قیامت کی نشانی ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ ہیں' لیکن پہلا قول راجح ہے''۔

ایسر التفاسیر للجزائری: علامہ ابوبکر الجزائری لکھتے ہیں:

أی وأن عیسی لعلامة للساعة أی نزول عیسی فی آخر الزمان علامة علی قرب الساعة (أیسر التفاسیر:الزخرف:٦١)

''یعنی حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا آخری زمانے میں نازل ہونا قربِ قیامت کی ایک علامت ہے''۔

التفسیر المیسر: التفسیر المیسر جو کہ سعودی علماء کی ایک جماعت نے لکھی ہے' اس میں ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے:

وان نزول عیسی قبل یوم القیامة لدلیل علی قرب وقوع الساعة

(التفسیر المیسر:الزخرف:٦١)

''اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا قیامت سے پہلے نازل ہونا قیامت کے وقوع کے قریب ہونے کی دلیل ہے''۔

ان تفاسیر کے علاوہ بھی عربی کی بہت سی ایسی تفاسیر ہیں جن میں ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول لیا ہے۔ مایۂ ناز عربی تفاسیر کے مطالعہ کے بعد اب ہم بعض اردو مفسرین کی تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ انہوں نے آیت مبارکہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے کیا سمجھا ہے۔

موضح القرآن: شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١) ''اور وہ نشان ہے اس گھڑی کا''۔

''حضرت عیسیٰ کا آنا نشان ہے قیامت کا''۔

احسن التفاسیر: سید احمد حسن محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١) ''اور وہ نشان ہے اس گھڑی کا''۔

''ان آیتوں میں یہ جو فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت کی ایک نشانی ہیں' اس کی تفسیر بعضے مفسروں نے اگرچہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو جو زندہ کرتے تھے یہ ان کا معجزہ قیامت کی ایک نشانی تھا' کیونکہ جس طرح وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اس طرح قیامت کے دن مردے زندہ ہوں گے' لیکن صحیح تفسیر وہی ہے جس کا ذکر صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے زمین پر آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے' اسی واسطے ان کو قیامت کی نشانی فرمایا''۔

معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١) ''اور وہ نشان ہے قیامت کا''۔

''اکثر مفسرین نے اس آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے۔ چنانچہ آپ کا آخری زمانے میں دوبارہ تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے احقر کے رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' اور ''مسیح موعود کی پہچان'' وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے''۔

معارف القرآن: مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور بے شک وہ ایک نشان ہے قیامت کے واسطے''۔

''جمہور مفسرین کے نزدیک 'وَاِنَّهٗ' کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف راجع ہے' یعنی عیسیٰ بن مریم بے شک ایک علامت ہیں قیامت کے لیے' اور اس سے مراد اُن کا آسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے' تو ان کا یہ آنا من جملہ آیاتِ علاماتِ قیامت ایک عظیم نشانی بنایا گیا...... حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے احادیث نزول کو اخبارِ متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں' اس لحاظ سے مسئلہ نزول مسیح دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا' جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا''۔

تفسیر عثمانی: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١) ''اور وہ نشان ہے قیامت کا''۔

''یعنی حضرت مسیح کا اوّل مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ بدون

باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب وغریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا' ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آگئی ہے''۔

تفسیر وحیدی: مولانا وحید الزمان خانؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور بے شک عیسیٰ (کا اُترنا) قیامت کی ایک نشانی ہے''۔

اشرف الحواشی: مفتی عبدہٗ الفلاح لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور بے شک عیسیٰ (کا اترنا) قیامت کی ایک نشانی ہے''۔

''اس 'وہ' سے مراد اکثر مفسرین نے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اُترنا لیا ہے' جس کی خبر بکثرت احادیث میں دی گئی ہے اور بقول شوکانی وہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور ابن کثیرؒ نے بھی ان کو متواتر کہا ہے اور ان کے نزول پر اُمت کا اجماع ہے''۔

جواہر القرآن: مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١) ''اور وہ نشان ہے قیامت کا''۔

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا آخری زمانے میں نزول قربِ قیامت کی علامت ہے''۔

تیسیر القرآن: مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور وہ (عیسیٰؑ) تو قیامت کی ایک علامت ہے''۔

''یعنی سیدنا عیسیٰؑ کی پیدائش اور پہلی مرتبہ دنیا میں آنا تو خالص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ اب قیامت بالکل نزدیک آگئی ہے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب لیا ہے اور بے شمار احادیثِ صحیحہ سیدنا عیسیٰ کے آسمان سے نزول کی تائید بھی کرتی ہیں جو بالکل قیامت کے قریب ہوگا''۔

تفسیر نعیمی: مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:٦١)

''اور بے شک عیسیٰؑ قیامت کی ایک خبر ہے''۔

''یعنی حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اُترنا علامات قیامت میں سے ہے''۔ (باقی صفحہ 4 پر)

اسلام اور فنِ تعمیر (۴)

مرزا عمران حیدر ☆

قرآن میں مذکور سابقہ اقوام کی تعمیرات کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سابقہ اقوام میں سے عاد و ثمود اور چند دیگر اقوام کے فن تعمیر کا نقشہ کھینچا ہے۔ مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جہاں ان تعمیرات کی تفصیلات بتائی ہیں وہیں ان تعمیرات سے ان قوموں کے مقاصد کو بھی واضح کیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴾ (الحجر)

''وہ امن سے رہتے ہوئے پہاڑوں میں مکان تراشا کرتے تھے''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری فرماتے ہیں:

وكان اصحاب الحجر' وهم ثمود قوم صالح ' ينحتون من الجبال بيوتا آمنين من عذاب الله وقيل آمنين من الخراب ان تخرب بيوتهم التي نحتوها من الجبال وقيل : آمنين من الموت

''یہ اصحابِ حجر ہیں اور وہ صالح علیہ السلام کی قومِ ثمود ہیں۔ وہ پہاڑوں میں گھر بناتے تھے اللہ کے عذاب سے بچتے ہوئے' اور کہا گیا: بنائے ہوئے گھروں کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے' اور کہا گیا: موت سے بچتے ہوئے یہ مکان بناتے تھے''۔

فتح القدیر میں ہے:

وقيل من الموت ' وقيل من العذاب ركونا منهم على قوتها ووثاقتها(۳۷)

''وہ لوگ ان گھروں کی قوت اور مضبوطی پر انحصار کرتے ہوئے عذاب سے بچنے کے لیے' یا کہا گیا کہ موت سے بچنے کے لیے یہ گھر بناتے تھے''۔

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

اس کے بعد کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ ان کا انجام بیان فرماتے ہیں:

﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُصۡبِحِيۡنَ ۝ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝﴾ (الحجر)

''تو صبح کے وقت اُن کو چیخ نے آ لیا' تو ان کے کمائے ہوئے نے انہیں کچھ بھی کفایت نہ کیا۔''

قوم ثمود اللہ تعالیٰ کی نافرمان قوم تھی۔ اس قوم نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اُن کے معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہونے کی بجائے اس معجزاتی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اصلاح کی بجائے بگاڑ کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور موت سے بچنے کے لیے پہاڑوں میں مکان تراشے۔ انہوں نے آج سے ہزاروں سال پہلے نمعلوم کس ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے سنگلاخ پہاڑ تراشے! جبکہ یہ کام آج کے جدید دور میں جدید ترین ٹیکنالوجی کے باوجود بھی خاصا مشکل اور مہارت کا متقاضی ہے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صناعیاں صرف کر دیں۔ مقصد تھا کہ کسی طرح اللہ کے عذاب یا موت سے بچ سکیں۔ لیکن ان کے انتہائی مضبوط مکانات' جن کے آثار ہزاروں سال بعد آج بھی عرب میں دیکھے جا سکتے ہیں' ان کو اللہ کے عذاب اور موت کے منہ میں جانے سے نہ بچا سکے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ ۝﴾ (الشّعراء)

''اور وہ پہاڑوں میں گھر تراش کر خوشی خوشی رہتے تھے''۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

فانھم کانوا یتخذون تلك البیوت المنحوتة فی الجبال اشرا وبطرا وعبثا من غیر حاجة الی سکناھا و کانوا حاذقین متقنین لنحتھا ونقشھا(۳۸)

''وہ پہاڑوں کے تراشے ہوئے یہ گھر محض بڑائی اور تکبر کرتے ہوئے اور کارِ عبث کے طور پر بناتے تھے جبکہ انہیں بطور رہائش ان کی ضرورت ہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور وہ ان گھروں کے تراشنے اور ان کی نقاشی میں بڑے ماہر تھے۔''

سورۃ الاعراف میں فرمایا:

﴿وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴿۷۴﴾

''(اے ثمود!) اور تم یاد کرو جب اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں عاد کے بعد خلیفہ بنایا اور تمہیں زمین میں بسایا۔ تم نرم زمین میں محلات بناتے اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو۔ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔''

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں دلائل کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تعمیرات میں خرچ ہونے والے پیسے کا کوئی فائدہ نہیں ہے:

فاذکروا آلاء اللّٰہ ای نعمه وهذا یدل علی ان الکفار منعم علیهم

''اللہ کی نشانیوں کو یاد کرو'یعنی اللہ کی نعمتوں کو۔ اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا فرمائیں''۔

ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے پہاڑوں میں محلات اور گھر بنائے' جو اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ ۹ ہجری میں تبوک کی طرف جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کے آثار کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس عذاب زدہ علاقے میں اترنے سے منع فرمایا اور یہاں کے پانی سے گوندھے ہوئے آٹے کو ضائع کروایا اور اُس کنویں سے پانی لیا جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ گویا یہ مضبوط محلات دنیاداری اور آخرت سے بےخوفی کی علامات ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے ہیکل یا محلات سے کوئی شخص بلند و بالا عمارات تعمیر کرنے کا جواز تراش سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دَور کے وسائل کے مطابق بہترین عمارات تعمیر کروائیں تو موجودہ دور کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے بلند و بالا محلات تعمیر کرنے میں کیا حرج ہے؟ اس بات کی وضاحت کے لیے ذیل کی آیات دیکھتے ہیں:

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴿۱۳﴾﴾ (سبا)

''وہ (جنات) ان کے لیے ان کی مرضی کے مطابق عالی شان عمارتیں اور مورتیاں بناتے اور حوض کی طرح پیالے اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں بناتے تھے۔ اے داؤد

کی اولاد! شکر مان کر (نیک) عمل کرتے رہو۔ اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ ضحاک کہتے ہیں: ''یہ محاریب مسجدیں ہیں''۔ اور قتادہ نے کہا: ''یہ محلات اور مسجدیں ہیں''۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے حوض اور دیگیں بنوائیں۔ پھر سب سے آخر میں ہیکل کی تعمیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان تمام اشیاء کی تعمیر کا ثبوت قرآن مجید کی آیات اور تفاسیر میں موجود ہے۔ اس بارے میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ ہوا' جنوں کی تسخیر اور ان عمارات کی تعمیر یہ تمام حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور معجزہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص)

''(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: اے میرے ربّ! مجھے معاف کر دیجیے اور مجھے ایسی بادشاہت دیجیے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو' یقیناً آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور بطورِ معجزہ انہیں یہ سب کچھ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (سبا)

''اور (ہم نے مسخر کر دیا) سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا کو' اس کا صبح کا چلنا ایک مہینے کا تھا اور شام کا چلنا ایک مہینے کا تھا۔ اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اور جنوں میں سے کتنے اس کے ربّ کے حکم سے اُس کے سامنے کام کرتے تھے! اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے پھرے گا ہم اسے دوزخ کے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔''

ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ سدی نے کہا: **وانما اسیلت له ثلاثة ایام**

''وہ چشمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تین دن تک بہایا گیا۔''

گویا یہ معجزہ تھا۔ بعض لوگ چشمہ بہانے کا معنیٰ ''کثرت'' لیتے ہیں۔ یہ تأویل ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کام یا فن میں اس کی اُمت کے لوگ مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں ملکہ سبا کا عظیم الشان تخت' محل اور بادشاہی معروف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے معجزہ بھی تعمیرات اور بے مثال حکومت کا دیا۔ اس بات کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (44)﴾ (النمل)

''اس (ملکہ سبا) سے کہا گیا: محل میں داخل ہو جا! پس جب اُس نے محل کو دیکھا تو سمجھی کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے (کپڑا اٹھایا اور) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ انہوں (سلیمانؑ) نے کہا یہ شیشے سے منڈھا ہوا محل ہے۔ اُس (ملکہ سبا) نے کہا: اے میرے ربّ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کی تابع فرمان بن گئی''۔

آج سے ہزاروں برس پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیشے کی تہہ والا محل بنوالیا۔ انہوں نے کون سی ٹیکنالوجی اختیار کی' اس کا تصور محال ہے۔ جب ملکہ سبا کو اس میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو وہ اس حقیقت کو نہ سمجھ سکی اور پانی میں داخل ہونے کے انداز سے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کرلیا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے خبر دی کہ یہ پانی نہیں' بلکہ شیشے کا محل ہے' تو اس حقیقت کے ادراک سے وہ اس نتیجے تک پہنچی کہ ایسی تعمیر کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں' لازماً یہ ایک نبی کا معجزہ ہی ہوسکتا ہے' اور وہ فوراً ہی مسلمان ہوگئی اور پروردگار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام نے بطورِ معجزہ شیشے کا محل بنوایا' عبادت کے لیے محرابیں بنائیں' عظیم الشان ہیکل تعمیر کروایا۔ لہٰذا مسجد کی تعمیر یا دیگر تعمیرات کے لیے اس معجزے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا' بلکہ ان چیزوں کے لیے ہمیں اُن ہدایات کو ملحوظِ خاطر رکھنا پڑے گا جو رسول اللہ ﷺ نے اُمت کی رہنمائی کے لیے جاری فرمائی ہیں۔

حدیث جبرئیلؑ کا جائزہ

جبرئیل امین رسول اللہ ﷺ کے پاس انسانی شکل میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ

کے ذریعے اُمت کو دین کی تعلیم فرمائی۔ یہ حدیث کتب حدیث میں ''حدیثِ جبریل'' اور ''اُمّ السُّنّۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((...... وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاۃُ الْاِبِلِ الْبُھْمُ فِی الْبُنْیَانِ)) (۳۹)

''......اور جب خالی ہاتھ اونٹوں کے چرواہے طویل وعریض عمارات بنائیں گے۔''

اس حدیث طیبہ میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت کے قریب اُمت محمدیہؐ کے افراد بھی بلند و بالا اور طویل وعریض عمارات بنائیں گے۔ کسی چیز کا قیامت کی علامات میں سے ہونا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے۔ اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اس چیز کی اصل اور اس کے بارے میں دیگر ہدایات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا۔ بلند و بالا اور لمبی چوڑی عمارات کے حوالے سے ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے' اور اگر یہ باہم مقابلے' فخر' تکبر اور نمود و نمائش کے لیے ہے تو اسراف وتبذیر میں شمار ہونے کی وجہ سے اس کی حرمت کے بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔ البتہ اگر رہائشی وتجارتی اور دیگر ضروریات کے لیے بڑے بڑے پلازے بنانے پڑیں تو ان کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

مکان انسان کی بنیادی ضرورت ہے

ہماری گزشتہ بحث کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان تعمیرات سے لاتعلق ہو کر کسی جھونپڑی میں زندگی گزار دے۔ ہمارا مقصد تو تعمیرات کے بارے میں غلط رویوں کی نشاندہی اور اُن کی اصلاح کرنا ہے۔ مکان ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ شریعت اس ضرورت کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کرتی ہے بلکہ اسے بنیادی انسانی حق گردانتی ہے' اور ایک اسلامی حکومت مختلف شعبوں میں خدمات انجام دینے والوں کو اتنا سپورٹ کرتی ہے کہ وہ اپنا گھر بنا سکیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَیْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِیْ سِوٰی ھٰذِہِ الْخِصَالِ : بَیْتٌ یَسْکُنُہٗ وَثَوْبٌ یُوَارِیْ عَوْرَتَہٗ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ)) (۴۰)

''ابنِ آدم کے لیے ان چیزوں کے علاوہ حق نہیں ہے: گھر جس میں وہ رہے' کپڑا جو اُس کے ستر کو چھپائے اور سالن کے بغیر روٹی اور پانی۔''

گھر کا مقصد انسان کو موسمی شدت سے محفوظ رکھنا' اہل وعیال کے لیے پناہ گاہ اور

پرائیویسی وغیرہ مہیا کرنا ہے۔ گھر انسان کے لیے پناہ گاہ‘ جان و مال کی حفاظت کی جگہ اور آرام اور سکون پہنچانے کی جگہ ہے۔ ان خصوصیات کا حامل مکان ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کی رہائشی ضروریات کو پورا کرے۔ اگر کوئی ان بنیادی سہولیات کے علاوہ مزید آسائشوں اور تعیشات کا مطالبہ کرتا ہے اور پھر ان کی تکمیل کے لیے کئی کئی کنالوں پر محیط کوٹھیاں بناتا ہے‘ اور اس بے جا اسراف کے باوجود دنیا کی کوئی سہولت حاصل ہو جانے رہ جائے‘ تو اس کے حصول کے لیے وہ مزید کوشش کرتا ہے‘ تو اس طرح ممکن ہے کہ اس کی ساری زندگی کھپ جائے مگر وہ دنیا کا بہترین گھر نہ بنا سکے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۷۴ کی تفسیر میں امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ:

''محمد بن سیرینؒ کے دو بیٹوں نے گھر بنایا اور اس پر بڑا مال خرچ کیا۔ یہ بات محمد بن سیرین کو بتائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں آدمی کے اپنے فائدے کے لیے گھر بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: ((اِذَا اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلٰی عَبْدٍ اَحَبَّ اَنْ یَرٰی اَثَرَ النِّعْمَۃِ عَلَیْہِ)) ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام کرتا ہے تو اُس نعمت کا اُس بندے پر اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔'' ابن سیرین کہتے ہیں کہ نعمت کے آثار میں سے اچھا لباس اور اچھا گھر ہے۔ خوبصورت لونڈی کو مال دے کر خریدنا جائز ہے‘ حالانکہ اس کے علاوہ دوسری پر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے دلیل لی ہے: ((اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ شَرًّا اَھْلَکَ مَالَہٗ فِی الطِّیْنِ وَاللَّبِنِ)) ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرمائے تو اس کے مال کو مٹی اور اینٹوں میں ضائع کر دیتا ہے۔'' ایک اور خبر میں ہے: ((مَنْ بَنٰی فَوْقَ مَا یَکْفِیْہِ جَاءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی عُنُقِہٖ)) ''جس نے ضرورت سے زیادہ تعمیر کیا قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اسے اپنے کندھے پر اٹھایا ہو گا۔'' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((وَمَا اَنْفَقَ الْمُؤْمِنُ مِنْ نَفْقَۃٍ فَاِنَّ خَلَفَھَا عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا مَا کَانَ فِیْ بُنْیَانٍ اَوْ مَعْصِیَۃٍ)) ''مؤمن جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اس کا اجر اللہ پر ہے سوائے عمارت اور گناہ پر خرچ کیے ہوئے کے۔'' (۴۱)

ابن سیرینؒ نے اپنے بیٹوں کے شاندار گھروں کی تعریف کی ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب مسلمان خلافت کے قیام‘ جہاد کی تیاری اور ضروریاتِ دین ادا کر چکے تھے‘ نیز مالی طور

پر آسودہ تھے۔ ان مکانوں کی عمدگی کو آج کل کی کوٹھیوں سے نہیں جوڑا جا سکتا۔ وہ گھر عام گھروں کی نسبت عمدہ تھے۔ پھر انہوں نے اللہ کی نعمت کے اظہار کے بارے میں جو حدیث بیان کی ہے اس کا شانِ ورود یہ ہے کہ ایک مال دار صحابی اپنے جسم اور لباس کی پرواہ کیے بغیر رہتے تھے۔ ان کے پراگندہ حلیے کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر نعمت کے اظہار کو پسند فرماتے ہیں''۔ اپنے جسم' لباس' مکان اور دیگر اشیاء میں وقار کو اختیار کرنا مطلوب اور مقصود ہے۔ ضروری نہیں کہ ان پر بے شمار روپیہ خرچ کر کے ہی اللہ کو راضی کیا جائے۔ کم خرچ اور سادگی کے ساتھ بھی وقار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ خوبصورت لونڈی خریدنے کی جو مثال دی گئی ہے بلاشبہ یہ جائز ہے' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خوبصورتی کی اور خریدنے کی آخری حد کیا ہوگی؟ اور کیا اس میں کوئی اجر و ثواب بھی ہے؟ لہٰذا میانہ روی سے چلتے ہوئے' اسراف سے بچتے ہوئے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان کو مطمحِ نظر سمجھ لینا' زندگی کا محور و مرکز بنا لینا اور اپنی زندگی کو اسی مقصد کے لیے کھپا دینا درحقیقت آخرت سے بے خوفی اور بے دینی کی علامات ہیں۔

رفاہِ عامہ اور اجتماعی ضروریات کے لیے تعمیرات

جو عمارات مفادِ عامہ یا اجتماعی ضرورت کے لیے بنائی جاتی ہیں اسلام انہیں استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے فاعل کو اجر و ثواب کا مستحق بھی گردانتا ہے۔ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہاں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا' وہ بھی یہودی کی ملکیت تھا۔ مسلمانوں کو میٹھے پانی کے حصول کے لیے خاصی دشواری کا سامنا تھا' پانی بمشکل اور قیمتاً ملتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يَشْتَرِىْ بِئْرَ رُوْمَةَ فَيَجْعَلَ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ)) فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي (۴۲)

''جو رومہ کنویں کو خرید کر اپنے ساتھ دیگر مسلمانوں کو استفادہ کا موقع دے گا اس کے لیے جنت میں اس سے بہتر بدلہ ہوگا''۔ (حضرت عثمانؓ نے فرمایا:) تو میں نے اپنے ذاتی مال میں سے وہ کنواں خریدا (اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا)''۔

پانی کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ پانی کے حصول کے لیے کنواں کھودنا انسانیت کی ایسی خدمت ہے جس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ اُس وقت پانی کا ذریعہ کنواں تھا۔ آج کے دور

میں کنواں' ہینڈ پمپ' موٹر اور ٹیوب ویل پانی کے ذرائع ہیں۔ ان کی تعمیر وتنصیب انسانیت کی خدمت اور باعث اجر ہے۔ اسی طرح اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے: **ما لا یتم الواجب الا به فهو واجب** کہ واجب کی تکمیل کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ تمام چیزیں بھی واجب ہیں۔ مثال کے طور پر ستر ڈھانپنا واجب ہے۔ ہم ستر چھپانے کے لیے کپڑا استعمال کرتے ہیں تو کپڑا بنانا بھی واجب ہوا۔ اسی طرح کپڑے کے حصول کے لیے ٹیکسٹائل ملز اور ان کے لوازمات بھی واجب ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کنواں خرید کر اُسے وقف کرنے کی فضیلت بیان فرمائی تو اس سے کنویں اور اس کے ضمن میں جدید وسائل تعمیر کرنے اور بنانے کی فضیلت بھی ثابت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے خندق کھودی۔ اس کام میں آپؐ خود بھی شریک ہوئے۔ خندق اُس وقت اور حالات کے مطابق دفاع کا بہترین طریقۂ کار تھا۔ آج کے دور میں دفاع کے نقطۂ نظر سے تعمیر ہونے والی تمام عمارات اجر وثواب کا باعث ہیں۔ ایٹمی توانائی کے حصول اور اس کے تسلسل کے لیے قیمتی ترین عمارت بھی بنانا پڑے تو اس کا بنانا ضروری ہے۔ بھاری بھرکم اخراجات کے باوجود اُس کا شمار اسراف میں نہیں ہوگا۔

شریعت اسلامی بلڈنگ کے بارے میں کوئی مخصوص نقشہ تو نہیں دیتی لیکن اپنی عمومی تعلیمات میں ایسی باتوں کا ذکر کرتی ہے جن کا عمارت کی تعمیر میں خیال رکھنا ضروری ہے۔ انہیں ہم تعمیراتی اخلاقیات کا نام دے سکتے ہیں۔ حالات' موسم' ضرورت اور وسائل کو مدنظر رکھ کر اسراف سے بچتے ہوئے کوئی بھی نقشہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((...... وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) (۴۳)

''...... تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔''

لہٰذا ہوادار' کھلا اور صاف ستھرا گھر بنانا چاہیے۔ ہمسائے کے حقوق کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر کا نقشہ ایسا ہو جس سے ہمسائے کے لیے پردے اور دیگر مسائل پیدا نہ ہوتے ہوں۔ ہمسائے ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں' آپس کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ اَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ)) ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ :
مَالِيْ اَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَاللّٰهِ لَاَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ اَكْتَافِكُمْ (۴۴)

''کوئی ہمسایہ اپنے ہمسائے کو اپنی دیوار پر لکڑی (شہتیر) رکھنے سے نہ روکے''۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں تم کو اس سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ اللہ کی قسم! میں اس اعراض کی پاداش میں ضرور تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا (سزا دوں گا)''۔

ہمسائے کا یہ حق گھر کی تعمیر میں بھی ہے۔ اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اس طرح کے دیگر کاموں میں اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہ کرنے والوں پر سختی کرنے کا حکم دیتے تھے۔

گھر میں خواتین اور بچوں کی ضروریات کے مطابق صحن بنانا بھی جائز ہے۔ گھر اہل خانہ کو قید کرنے کی جگہ نہیں' بلکہ ان کی پناہ گاہ اور سکون کا مقام ہے۔ امام بخاری نے کتاب **المظالم والغصب** میں باب باندھا ہے: **باب افنیة الدور والجلوس فیھا** ''گھروں کے صحن اور اُن میں بیٹھنے کا بیان''۔

لوگوں کی گزرگاہ کا خیال رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے عمارات بناتے وقت راستہ چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَضَى النَّبِيُّ ﷺ اِذَا تَشَاجَرُوْا فِي الطَّرِيْقِ بِسَبْعَةِ اَذْرُعٍ (٤٥)

''نبی کریم ﷺ نے راستے کے بارے میں جھگڑنے پر سات ہاتھ (جگہ چھوڑنے) کا فیصلہ فرمایا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی ضروریات کے مطابق گلیاں' سڑکیں اور ایئر پورٹ وغیرہ بنائے جائیں گے۔ لوگوں کے اختلاف اور جھگڑے کے اندیشے کے سبب کم از کم اتنی جگہ ضرور لی جائے گی جس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں۔ صرف سڑکیں بنا دینا ہی کافی نہیں بلکہ انہیں اچھا بنانا' رکاوٹوں کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ افراد اخلاقی طور پر اور حکومت قانونی طور پر ایسا کرنے کی پابند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے جنت میں داخلے کے لیے چالیس اعمال کا تذکرہ فرمایا' ہم نے ان میں: **اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ** ''راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا'' بھی شمار کیا ہے''۔ (٤٦)

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اَنْتَفِعُ بِہٖ' قَالَ :((اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ))(۴۷)

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتائیے جس سے میں نفع حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز دور کردو''۔

اسلام نے مسافر کے بہت سے حقوق بیان کیے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ دورانِ سفر اُن کی سہولت کے لیے مسافر خانے' ریسٹورنٹ اور ہوٹل تعمیر کیے جائیں۔ زمین فروخت کرتے وقت ہمسائے کو کسی قسم کی پریشانی سے بچانے کے لیے ''شفعہ'' کا حق دینا اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔

اسلام مسلمانوں سے ایک صحت مند' باعمل اور صالح معاشرے کے قیام کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جن عمارات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسراف سے بچتے ہوئے ان کی تعمیر اسلام کا تقاضا ہےاور اسلام ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

حواشی

(۳۷) تفسیر فتح القدیر۔

(۳۸) تفسیر ابن کثیر۔

(۳۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان۔

(۴۰) سنن الترمذی' کتاب الزھد عن رسول اللہ ﷺ' باب منہ۔

(۴۱) یہ بحث امام قرطبی نے بیان کی ہے۔ دیکھئے: ملخصاً تفسیر قرطبی' جلد ۴' ص ۱۵۳۔

(۴۲) سنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب فی مناقب عثمان بن عفان۔

(۴۳) مسند احمد' رقم الحدیث ۲۵۱۰۴۔

(۴۴) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یمنع جار جارہ ان یغرز خشبہ فی جدارہ۔

(۴۵) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب اذا اختلفوا فی الطریق المیتاء۔

(۴۶) صحیح البخاری' کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا' باب فضل المنیحۃ۔

(۴۷) سنن ابن ماجہ' کتاب الادب' باب اماطۃ الاذی عن الطریق۔

۞ میڈیا کے نامور سکالر جاوید احمد غامدی کے فکری تفردات اور تجدد پسندانہ نظریات کا علمی و تحقیقی تجزیہ

۞ جاوید احمد غامدی کے پیش کردہ روشن خیال تصورِ اسلام کا قرآن و سنت کی روشنی میں علمی محاکمہ

۞ جاوید احمد غامدی کے متجددانہ نظریات پر منفرد اور مستند کتاب

فکرِ غامدی

ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن

تالیف:

حافظ محمد زبیر

حافظ طاہر اسلام عسکری

شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی لاہور

۞ معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ۞ عمدہ طباعت ۞ صفحات : 168

اشاعت خاص:75 روپے ' اشاعت عام:45

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون:3-5869501

email : maktaba@tanzeem.org

website : **www.tanzeem.org**